January 2018

Rs.20/-

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماهنامه

پیغام شریعت دہلی



اسرائیلی روایات کی حیثیت

- تحفظ ناموس رسالت علیٰ صاحبہا التحیۃ والثنا اور ہماری ذمے داریاں
- برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی خوں بار داستان
- اردو رموزِ اوقاف: تفہیم وتعارف
- جنوبی ہند کے نظام تعلیم میں ''پلی درس'' کی اہمیت
- امام نسفی اور امام احمد رضا قدس سرہما



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT

Monthly

January-2018 | شمارہ نمبر: ۲۸ | جلد ۳ | January-2018

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زرتعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر خلیجی

طابع، ناشر، مالک محمد قاسم نے اعلیٰ پرنٹنگ پریس 3636 کٹرا دینا بیگ، لال کنواں، دہلی-6 سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "پیغام شریعت" 442، سیکنڈ فلور، گلی سروتے والی، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی-6 سے شائع کیا۔

ترسیل وزر کا پتہ

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین



مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

مسلمانو! اب کچھ تو کرنا ہوگا!

تحریر: فیضان المصطفی قادری

مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام کی ریشہ دوانیاں جاری وساری ہیں۔اورحسبِ معمول ہماری قوم کا بھی میدانِ عمل میں اترنے کا فی الحال کوئی خاص ارادہ نہیں ہے۔مسلمان تو خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے،اسے کیا فرق پڑتا ہے اگر فلسطین فلسطینی مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن جائے،شاہانِ عرب کو بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر قبلۂ اول مسجدِ اقصیٰ پر صیہونیت اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ پہنائے،مسلم ممالک کے حُکّام کا کیا بگڑتا ہے اگر یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت بنا دیا جائے اور فلسطینی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔صدر ٹرمپ نے تو بیت المقدس کو اسرئیلی دارالحکومت بنانے کا اعلان کر دیا ہے،جس کے ردِ عمل میں عالم اسلام کے اکلوتے مردِ میدان رجب طیب اردغان نے او آئی سی کی میٹنگ بھی کر لی ہے،اس میں کیا طے ہوا اس کی کیا خبر؟ سب ملا جلا کر ہم میں زندگی کی اتنی رمق تو باقی ہے کہ مخالف کے ہر حملے پر ہم اپنا احتجاج درج کرا دیتے ہیں،اب بھی کرا رہے ہیں۔

صدر ٹرمپ نے مسلمانوں سے اپنی نفرتوں کا یہ مظاہرہ تو کر دیا ہے،اور جو ابھی سینے میں پوشیدہ ہے وہ کہیں زیادہ خطرناک ہوگا،ٹرمپ نے تو ایسا اپنی بڑی سعادت مندی سمجھ کر کیا ہوگا۔اس نے اپنے پیش روصدور کی دیکھی بھی اَن دیکھی کر دی،اب کوئی صلاح الدین ایوبی آئے جو قبلہ اول کے بارے میں سوچے اور صیہونی پنجے سے آزاد کرانے کی کوشش کرے۔

اس ترقی یافتہ دنیا میں جب کہ اقوام متحدہ اور حقوق انسانی پر کام کرنے والی تنظیمیں متحرک اور فعال کردار ادا کر رہی ہیں،اس کے باوجود اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ سیاسی یا اقتصادی طاقت کے بغیر محض انسانیت کے ناطے یہ دنیا کسی کو انصاف دینے والی ہے تو یہ اس کا خیالِ خام ہے۔حقوق تحفے میں نہیں ملتے، چھینے جاتے ہیں۔اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے فلسطین کے حق میں درجنوں قراردادیں منظور ہو کر عمل درآمد کی منتظر ہیں،اور اب تو اُن کاغذات کا مصرف بھی کچھ نہیں رہ گیا،اسرائیل نے مسلسل اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کی ہے،لیکن کسے ہمت ہے جو اس پر کوئی معاشی یا اقتصادی کسی قسم کی پابندی لگا سکے۔ایک زمانے تک یہ تنازع رہا کہ فلسطین اسرائیل قضیے کا دو ریاستی حل مناسب رہے گا، یا ایک ریاستی حل مناسب ہوگا؟ لیکن صدر ٹرمپ نے سعودیہ جا کر شاہی ضیافت اور قیمتی تحائف کو شرفِ قبول عطا کر کے سعودی خاندان کو اپنے احسان تلے اتنا دبا لیا ہے کہ اب شاہی زبان پہلے سے بھی زیادہ سختی سے بند رہے گی،اور آنجناب نے فلسطینی کاز پر لوہار کی ایک لگا دی۔ظاہر ہے اس سے فلسطینیوں کی مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔

اس پورے واقعہ میں ہمیں افسوس اس بات کا بھی ہے کہ ہمارے وطن عزیز ہندوستان جس نے آزادی کے بعد سے اب تک فلسطینی موقف کی حمایت کی ہے،لیکن جب سے بی جے پی کے واسطے سے سنگھ پریوار کے ہاتھ اقتدار تک پہنچے ہیں ایوانِ اقتدار نے اس معاملے میں یوٹرن لے لیا ہے۔اب فلسطینیوں کو کون پوچھتا ہے؟ عقیدت ومحبت کے سارے مراسم اسرائیل کے ساتھ قائم کر لیے گئے ہیں،حتی کہ وزیر اعظم نریندر مودی

دورۂ اسرائیل میں فلسطینی قیادت سے ملنے کی بھی زحمت نہیں کرتے۔

دوسری طرف ہندوستان کے اندورنی حالات بھی حد درجہ تشویش ناک ہوتے جا رہے ہیں۔ شدت پسندی کے جو واقعات ملک کے مختلف حصوں میں گاہے گاہے رونما ہو رہے ہیں اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو ملک میں مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ ہو جائے گا۔ ہندوانتہا پسند تنظیموں نے بی جے پی کے اقتدار میں آتے ہی سر ابھارنا شروع کیا، اور اب تو یہ عناصر ملک کے ہر حصے میں دندناتے پھر رہے ہیں، مسلمانوں کے خلاف کھلے عام جارحانہ تقریریں کی جا رہی ہیں، شدت پسند لوگ سادہ لوح ہندو عوام کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی منظم کوشش کر رہے ہیں، اور اب معاملہ اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگر اس وقت میدانِ عمل میں نہ اترا جائے تو مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں آسکتا ہے۔ عام زندگی موجودہ نفرت زدہ ماحول سے متاثر ہو چکی ہے۔ پہلو خان اور حافظ جنید کے قتل کے بعد حال ہی میں راجستھان میں بنگال کے افراز الاسلام کو سفاکانہ انداز میں قتل کر کے جس بربریت کا مظاہرہ کیا گیا اس سے جو پیغام دیا جا رہا ہے وہ بہت واضح ہے، ویڈیو بنا کر اس بربریت کو وائرل کیا گیا تا کہ اس سلسلے کو آگے بڑھایا جائے۔ صورتِ حال اس قدر سنگین ہو گئی ہے کہ ہندوانتہا پسند تنظیمیں ایسے مجرموں کو تحفظ فراہم کرنے اور کفالت کرنے کی تیاری کر چکی ہیں۔ حکومت ایسے جرائم پر خاموشی اختیار کرتی ہے، وزیر اعظم نریندر مودی ایک چھوٹا سا مذمتی بیان بھی دینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، کیا اس سے مجرموں کو شہہ نہیں ملے گی؟ کورٹ کی کاروائی کی اپنی پیچیدگیاں ہوتی ہیں، جن کے پیش نظر انصاف ملے بھی تو نہ جانے کب ملے، اور دیر سے ملنے والا انصاف بھی کیا انصاف ہے! ایسے واقعات سے جو خاندان متاثر ہوتا ہے اُسے اگر وقت پر انصاف نہ ملے تو اس کے اندر بدلہ لینے کا مزاج فروغ پا سکتا ہے، جس کے نتیجہ میں اکثریتی طبقے کو اور زیادتی کرنے کے مواقع ملتے جائیں گے، اس طرح تو نفرتوں کے وہ سوداگر جو برما کے واقعات سے سیکھ کر انھیں ہندوستان میں دہرانے کے خواب دیکھ رہے ہیں ان کے لیے ماحول سازگار ہوتا چلا جائے گا۔

ہمارے نزدیک ملک کی اس نازک صورت حال میں حلف الفضول کی تاریخ دہرانے کا وقت آگیا ہے، اور ایسا ماحول برپا کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک عام ہندوستانی' نفرت زدہ ماحول سے نکلنے کی کوشش کرے، اور ایسی انتہا پسندی سے نفرت کرنے لگے جو قتل وغارت گری کو دعوت دیتی ہو۔ سیرت محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا وہ مکی دور یاد آتا ہے جب آپ نے حلف الفضول جیسی مثال قائم کر کے امن عامہ کو یقینی بنایا تھا۔ ہندو مسلم فسادات کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس تباہی سے روکنے کے لیے ہمدردی، انسانیت، رحم و مروت اور حقوق انسانی کی کوئی تعلیم و تلقین کارگر نہ ہوئی ہے، نہ ہوگی۔ اگر کوئی حکمت عملی کام آسکتی ہے تو وہ ہے امن عامہ کی اہمیت، اس کے لیے تمام مذاہب کے پیرو کاروں میں سے امن پسند افراد کو آگے آنا ہوگا، انھیں قیام امن کے لیے مشترکہ پالیسی بنانی ہوگی، اور شریعت جس قدر اجازت دیتی ہے اس قدر باہمی تعاون کو عمل میں لا کر اسے پورے ملک میں نافذ کرنا ہوگا، اس کے لیے علما کو پہلے سامنے آنا ہوگا، جو ملکی حالات اور شریعت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ایسے افراد کو آگے بڑھائیں۔ علمائے کرام اگر اس کی سرپرستی نہ کریں گے تو اندیشہ ہے کہ دنیا دار لوگ کوئی امن کمیٹی بنالیں، پھر وہی سب شروع ہو جائے جو خلافت کمیٹی نے شروع کر دیا تھا۔ ہندوانتہا پسند تنظیموں کی دہشت گردی جو ملک میں زور پکڑتی جا رہی ہے اس کو شکست دینے کے لیے اس طرف اقدام کی شرعی ضرورت ہے۔ ملک کی اکثر آبادی امن وآشتی کی خواہاں ہے، لیکن مٹھی بھر شدت پسند لوگ امن کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور ایسے حالات میں عام آدمی بس تماشائی بنا رہتا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس نفاذِ امن کی کوشش کے لیے حدود وقیود بتا کر ذی اثر افراد کو آگے بڑھائیں، ورنہ حالات تشویش ناک ہیں، اور شدت پسند تنظیمیں مسلسل اپنا کام کر رہی ہیں، اطمنان سے بیٹھے حالات کی تبدیلی کا انتظار کرنا دانش مندی نہیں ہے۔

☆☆☆

تیرہویں قسط

مشکل احادیث اوران کاحل

از:مولانا کوثر امام قادری مہراج گنج

ذکرالٰہی: جہری ہونا چاہیے یا سری؟

{عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:اكثروا ذكر اللّٰه حتّٰى يقولوا: مجنون}(مسند احمد ج:۳،ص۶۸-صحیح ابن حبان ج:۳، ص:۹۹)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں،حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کروکہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔

لوگ دیوانہ اسی وقت کہیں گے جب ذکرکرنے والا بآوازِ بلند ذکرکرے۔

{عن عبد اللّٰه بن عباس رضى اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:اذكروا اللّٰه ذكرًا يقول المنافقون:انكم تراؤون}(معجم کبیر طبرانی ج:۱۲،ص:۱۲۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں،حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر اس قدر کروکہ منافقین تمہیں ریا کار کہیں۔

{عن جابر بن عبد اللّٰه رضى اللّٰه عنه قال:ان رجلا كان يرفع صوته بالذكر فقال رجل:لو ان هذا خفض من صوته فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:فانه اواه قال: فمات فراى رجل نارًا فى قبره فاتاه فاذا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فيه وهو يقول هلموا الى صاحبكم فاذا هو الرجل الذى كان يرفع صوته بالذكر } (مستدرک للحاکم،ج:۱،ص:۵۲۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں،ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔ایک شخص نے کہا۔یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا(تو بہتر ہوتا)حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مست ہے۔راوی کہتے ہیں،وہ شخص انتقال کرگیا،پس ایک شخص اس کی قبر پر روشنی دیکھ کراس کے قریب آیا۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں پہلے سے موجود تھے،اورآپ نے ارشادفرمایا:اپنے اسی ساتھی کی طرف آؤ،جو بلند آواز سے ذکرکرتا تھا۔

اس طرح کی اوربھی دیگر روایتیں ہیں،جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر جلی جائز ہے،اورعہد صحابہ میں بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنا رائج وعام تھا،مگر دوسری حدیث اس کے خلاف ہے۔

{عن ابى موسى الاشعرى رضى اللّٰه عنه قال: كنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى سفر فجعل الناس يجهرون بالتكبير فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:يا ايها الناس! اربعوا على انفسكم،انكم لاتدعون اصمَّ ولا غائبًا-انكم تدعون سميعًا بصيرًا،وهو معكم،والذين تدعونه اقرب الٰى احدكم من عنق راحلته} (مشکوٰۃ شریف ص:۲۰۱)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔لوگ بآوازِ بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو،تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو،اورنہ غائب کو،تم سمیع وبصیر کو پکارتے ہو،اوروہ

تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔

حل اشکال

دونوں قسم کی حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی حدیثیں ذکر جہری کے جواز پر دلالت کر رہی ہیں، جبکہ دوسری حدیث سے ممانعت مستفاد ہوتی ہے۔ حالانکہ غور کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں باہم کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جس میں ممانعت ہے، وہاں وجہ بھی مذکور ہے کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو، یعنی ذکر میں آواز بلند کرنے میں مبالغہ اور افراط سے کام نہ لو۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں **اربعوا علی انفسکم** (نرمی کرو) کے امر سے جو التزاماً ذکر بالجہر کی نفی مستفاد ہوتی ہے، اس سے ذکر بالجہر میں آواز کو بلند کرنے میں مبالغہ اور افراط مراد ہے''۔ (روح المعانی ج:۳۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''دریں اشارہ است کہ منع از جہر برائے آسانی ونرمی است، نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر، وحق آنست ذکر جہر مشروع است بے شبہہ مگر بعارض''۔ (اشعۃ اللمعات فارسی، ج:۲، ص:۲۴۳)

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کے لیے ہے، نہ کہ اس لیے کہ جہر منع ہے، اور حق یہ ہے کہ جہر بلاشبہہ مشروع ہے، لیکن کسی عارض کے سبب۔

علامہ عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں: ''اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام جہر مفرط کر رہے تھے جیسا کہ اس پر بعض روایات دلالت کر رہی ہیں، آپ نے اس سے ان کو منع فرمایا، چنانچہ صاحب فتح الودود نے شرح سنن ابو داؤد میں ''رفعوا اصواتھم'' کی شرح میں کہا کہ صحابہ کرام بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے، پس اس حدیث سے مطلقاً جہر کی نفی لازم نہیں آتی، اور ملا علی قاری نے ''حرز ثمین شرح حصن حصین'' میں حدیث ''وان ذکرنی فی ملاء'' کی شرح میں فرمایا: اس سے ذکر خفی بھی مراد ہو سکتی ہے جیسا کہ ''ذاکر اللہ فی الغافلین بمنزلۃ الصابر فی الغاوین'' میں اشارہ ہے۔ اور مع الملاء کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ حد سے زیادہ جہر نہ کیا جائے، کیونکہ جب بعض صحابہ نے بے حد مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ''اربعوا علی انفسکم''۔ اپنی جانوں پر نرمی کرو''۔ (سباقۃ الفکر ص ۵۷)

اسرائیلی روایات کی حیثیت

{عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ اتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال: یا رسول اللّٰہ! ھذہ نسخۃ من التورٰۃ فسکت فجعل یقرأ،ووجہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر: ثکلتک الثواکل،ما تری بوجہ رسول اللّٰہ فنظر عمر الی وجہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: اعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ و غضب رسولہ،رضینا باللّٰہ ربا وبالاسلام دینًا وبمحمد نبیًّا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:والذی نفسی محمد بیدہ لو بدا لکم موسٰی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ،ولو کان حیا وادرک نبوتی لاتبعنی} (مشکوۃ، ص۳۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ توریت کا ایک نسخہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ توریت کا ایک نسخہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، پھر عمر اسے پڑھنے لگے، پس حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روئے انور متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکر وہیں موجود تھے، بول پڑے ۔رونے والیاں تم پر روئے: کیا تم رخ انور کو نہیں دیکھتے، پھر حضرت عمر نے چہرۂ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نگاہ کی اور پکار اٹھے: ہم اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، اور حضرت محمد مصطفےٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے۔اگر تمہارے لیے حضرت موسیٰ ظاہر ہو جائیں اور تم لوگ ان کی پیروی کرو، اور مجھے چھوڑ دو تو ضرور تم راستے سے بھٹک جاؤگے۔اگر وہ زندہ (حیاتِ ظاہری کے ساتھ) ہوتے ،اور میری نبوت (زمانہ نبوت) کو پالیتے تو وہ ضرور میری پیروی کرتے‘‘۔

{عن جابر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال: انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا ا فتری ان نکتب بعضھا؟ فقال:ا متھکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ ؟لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسی حیا ما وسعہ الا اتباعی}(مشکوٰۃ :ص۳۰)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، حضرت عمر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم یہود سے کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بھلی معلوم ہوتی ہیں، پس کیا آپ اجازت عطا فرماتے ہیں کہ ہم ان بعض باتوں کو لکھ لیا کریں؟ ارشاد ہوا: کیا تم لوگ حیران ہو جیسے یہود ونصاریٰ حیرت میں رہے۔ بلاشبہ میں صاف ستھری شریعت لایا ہوں، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیات ظاہری میں ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ توریت وانجیل اور اسرائیلی روایات کا پڑھنا، بیان کرنا، لکھنا وغیرہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے ،اورحضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے،جبکہ مندرجہ ذیل روایات اس کے خلاف ہیں۔

{عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: بلغوا عنی ولو اٰیۃ وحد ثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج،ومن کذب عَلَیَّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار}(مشکوٰۃ:ص۳۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، حضوراقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری بات پہنچاؤ،اگرچہ ایک ہی آیت ہو،اور بنی اسرائیل کی روایتیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں،اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا،وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حل اشکال

مذکورہ دونوں قسم کی روایتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے۔ پہلی قسم کی روایتوں سے پتہ چلا کہ اسرائیلی کتب کا پڑھنا اور اسرائیلی روایات کا سننا، انہیں نقل و بیان کرنا سب کچھ منع ہے، جبکہ دوسری قسم کی روایت اس بات پر دلیل ہے کہ ان سے اخذ وروایت میں کوئی قباحت نہیں،تو اس کا حل یہ ہے کہ ممانعت کا تعلق ابتدائی عہد اور آغازِ اسلام سے تھا۔ابھی معلومات ومعتقدات میں عمومی طور پر پختگی پیدا نہ ہوئی تھی ، اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا قوی امکان تھا ، پھر جب دینی احکام ومسائل سے اچھی واقفیت ہوگئی،آمیزش کا خدشہ ختم ہوگیا تو پھر اجازت مل گئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ’’یہ ممانعت دینی قواعد و احکام میں پختگی آنے سے قبل وارد ہوئی تھی،اس لیے کہ اس وقت فتنہ کا ڈر تھا۔ جب یہ اندیشہ باقی نہ رہا تو اجازت دے دی گئی،اس لیے کہ اہل کتاب کے اخبار و واقعات سننے سے عبرت حاصل ہوتی ہے‘‘۔ (فتح الباری، ج:۶،ص:۳۲)

اس اجازت کا مطلب یہ نہیں کہ بنی اسرائیل کی ہر قسم کی باتیں بیان و نقل کی جائیں ، بلکہ یہ اجازت ان ہی باتوں سے متعلق ہے جو کتاب وسنّت سے متصادم نہ ہوں، اور مبنی برحقیقت ہوں اور اگر کذب وافترا پر مشتمل ہوں تو ان کی ممانعت ہر حال میں ہے۔

دف،قوالی اور موسیقی کے احکام

{عن عامر بن سعد قال: دخلت علیٰ قرظۃ بن کعب وابی مسعود الانصاری فی عرس واذا جوار

یغنین، فقلت انتما صاحبا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن اھل بدر یفعل ھذا عندکم فقال:اجلس ان شئت فاسمع معنا،وان شئت اذھب،قد رخص لنا فی اللھو عند العرس} (سنن النسائی ج:۲،ص:۵۷)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت قرظہ بن کعب اور ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شادی میں گیا، وہاں بچیاں گا رہی تھی۔ میں نے کہا: آپ دونوں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدری صحابی ہیں، اور آپ سامنے یہ کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا: تم چاہے بیٹھ کر ہمارے ساتھ سنو، چاہے چلے جاؤ۔ ہمیں شادی کے موقع پر لہو کی اجازت دی گئی ہے۔

{عن ابن سیرین ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ کان اذا سمع صوتا اودفا فقال: ماھو؟ فاذا قالوا:عرس اوختان،صمت} (مصنف ابن عبدالرزاق ج:۲، ص:۱۹۴)

ترجمہ: حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گانے کی آواز یا دف کی آواز سنتے تو دریافت کرتے، یہ گانا بجانا کیوں ہو رہا ہے؟ پس جب آپ کو بتایا جاتا کہ شادی یا ختنہ ہے تو آپ خاموش ہوجاتے۔

مذکورہ احادیث اور اس قسم کی دوسری روایات بھی ہیں، جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گانا سننا اور آلاتِ موسیقی اور دف بجانا جائز ہے، جبکہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

{عن عبد الرحمٰن بن غنم الاشعری قال حدثنی ابو عامر او ابومالک الاشعری واللّٰہ ما کذبنی،سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقول:لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف ولینزلن اقوام الی جنب علم یروح علیھم بسارحۃ لھم یأتیھم یعنی الفقیر لحاجۃ فیقولون:ارجع الینا غدًا فیبیتھم اللّٰہ ویضع العلم و یمسخ آخرین قردۃ وخنازیر الٰی یوم القیامۃ} (بخاری ج:۲،ص:۸۳)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اشعری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے حدیث بیان کی اور بخدا انہوں نے جھوٹ نہیں کہا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں (آلاتِ غنا) کو حلال قرار دیں گے، اور کچھ ایسے لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے کہ جب شام میں اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا تو کہیں گے: کل ہمارے پاس آنا۔ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک فرمادے گا اور دوسرے لوگ (شراب اور باجوں کو حلال کرنے والے) کو مسخ کر کے قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنادے گا۔

{عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ان اللّٰہ حرم علٰی امتی الخمر والمیسر والمزر والکوبۃ والقنین،وزادنی صلٰوۃ الوتر–قال یزید،القنین البرابط} (مسند احمد ج:۲،ص:۱۶۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب، جوا، بانسری، طبل اور بربط (آلاتِ موسیقی) کو حرام کردیا ہے، اور وتر کی نماز زیادہ کردی ہے۔

{عن عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال: الدف حرام والمعازف حرام والکوبۃ حرام والمزمار حرام} (سنن کبریٰ بیہقی، ج:۱۰،ص:۲۲۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: دف حرام ہے، آلاتِ موسیقی حرام ہیں، طبل حرام ہے اور بانسری حرام ہے۔

حل اشکال

مذکورہ دونوں قسم کی روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ جواز پر دلالت کرنے والی روایتوں میں خاص خاص موقع (عید و شادی، ختنہ کی تقریب) پر صرف دف بجانے کی اجازت ہے، جبکہ دوسری روایات میں ان چند مواقع پر دف بجانے کے سوا ہر قسم کے آلاتِ موسیقی کی حرمت واضح ہے، جیسا کہ شارحین حدیث اور فقہائے اسلام کی تفصیلی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ''حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے شادی کے موقع پر دف بجایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ دف اور گانے کے ساتھ نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے، تا کہ اعلانیہ نکاح اور خفیہ زنا میں فرق ہو''۔ (عمدۃ القاری ج:۲۰،ص:۱۳۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''شادی وغیرہ کے موقع پر دف بجانے کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مواقع پر سارنگی وغیرہ دیگر گانے بجانے کے آلات کا استعمال جائز ہو''۔ (فتح الباری، ج:۳،ص:۴۴۳)

ملّا علی قاری فرماتے ہیں: ''ابن الملک کہتے ہیں، نکاح میں دف کے ذریعہ اعلان سے یہ مراد نہیں ہے کہ حلال اور حرام میں فرق صرف دف کے ذریعہ ہوتا ہے، کیونکہ عقلاً گواہوں کے حاضر ہونے سے بھی اعلان حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اعلان کسی پر مخفی نہ رہے۔ سنّت یہ ہے کہ نکاح کا اعلان دف اور حاضرین کی مبارکبادی کی آوازوں یا جائز قسم کے اشعار کے نغموں سے کیا جائے۔ صاحب شرح السنۃ کہتے ہیں کہ اس حدیث (نکاح میں دف سے اعلان) کا مطلب یہ ہے کہ نکاح میں آواز بلند کی جائے، اور لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کیا جائے۔ بعض لوگ اس حدیث سے اس سماع پر استدلال کرتے ہیں جو آج کل متعارف ہے، لیکن یہ استدلال غلط ہے''۔ (مرقات ج:۶،ص:۲۱۸)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ''جاہل صوفیوں نے جو موسیقی میں بدعات اختیار کی ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ جب تم موسیقی میں ان کے اقوال پر غور کرو گے، اور ان کے افعال کو دیکھو گے تو ان میں زندیقی (بے دینی) کے آثار پاؤ گے، اور شادی اور اس جیسے دوسرے مواقع پر دف کی اجازت سے سارنگی اور دوسرے آلاتِ موسیقی کی اجازت لازم نہیں آتی''۔ (عمدۃ القاری، ج:۶،ص:۱۷۱)

☆☆☆

(باقی صفحہ ۲۴)

......شیعہ امامیہ کے علما میں سے مامقانی وغیرہ کسی نے بھی اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ ان الفاظ جرح میں سے کون سے الفاظ اعلی درجے اور کون سے ادنی درجے کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک اسباب جرح:

اسباب جرح شیعہ امامیہ کے نزدیک مختلف ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ضعفا و مجاہیل سے زیادہ روایت کرنا (۲) خلیفہ یا والی کا کاتب ہونا (۳) راوی کا بنو امیہ سے ہونا (۴) عقیدہ کا فاسد ہونا، یعنی راوی کا امامیہ کے مخالف فرقہ یا اہل سنت و جماعت وغیرہ سے ہونا۔ (مقباس الہدایۃ/مامقانی، ج۲ص۳۰۷)

بعض دیگر الفاظ:

شیعہ امامیہ کے نزدیک بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو مدح یا ذم کسی چیز کا فائدہ نہیں دیتے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) مولی (۲) غلام (۳) شاعر (۴) کوفی (۵) قطعی، قطعی وہ ہے جو کاظم علیہ السلام کی موت کا یقینی طور پر قائل ہو (۶) صحابی، تابعی اور مخضرمی (۷) راوی، مسند، محدث، حافظ وغیرہ (مقباس الہدایۃ/مامقانی، ج۳ص۱۴)

جاری......

☆☆☆

اصلاح عقائد واعمال　　**قسط چہارم**

تحفظ ناموس رسالت علیٰ صاحبہا التحیۃ والثنا اور ہماری ذمے داریاں

بعض اعتقادی اور عملی کمزوریوں کی اصلاح کی ایک عاجزانہ کوشش

از : مفتی منیب الرحمن کراچی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں : حضوراقدس رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: قریش کی ہجوکرو، کیونکہ اُن پر ہجوتیر کی بوچھاڑ سے زیادہ شاق گزرتی ہے ، پھر آپ نے حضرت ابن رواحہ کوطلب کر کے فرمایا: اِن (کفار) کی ہجوکرو،سوانہوں نے اُن کی ہجوکی ،لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواطمینان نہ ہوا، پھرآپ نے کعب بن مالک کو طلب کیا، پھرحسان بن ثابت کوطلب کیا،سو جب حضرت حسان آپ کے پاس آئے توانہوں نے عرض کی: اب وقت آ گیا ہے،آپ نے اس شیر کوطلب فرمایا ہے جو (دشمن کو) اپنی دُم سے مارتا ہے، پھر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبان نکال کر اُس کو ہلانے لگے،اور عرض کی:

اُس ذات کی قسم جس نے آپ کوحق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان کواپنی زبان (کی کاٹ) سے اس طرح چیر پھاڑ دوں گا جس طرح چمڑے کو پھاڑا جاتا ہے،تو حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

(حسّان !) جلدی نہ کرو، کیونکہ اِن قریش کے ساتھ مجھے نسب میں قرابت بھی ہے ۔ابوبکر قریش کے سب سے بڑے ماہرِ اَنساب ہیں ، پس ابوبکر سے رہنمائی حاصل کروکہ وہ میرا نسب اُن سے ممتاز کردیں۔

حضرت حسان، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے ۔رہنمائی لے کرلوٹ آئے اور عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) انہوں نے آپ کے نسب کوممتاز کردیا ہے ۔اُس ذات کی قسم !جس نے آپ کوحق کے ساتھ بھیجا، میں آپ (کے نسب) کو اُن کے بیچ سے اس طرح صفائی سے نکال لوں گا، جس طرح گُندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے ۔حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں: میں نے سنا: حضوراقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسان سے فرمارہے تھے:

(اے حسان!) جب تک تم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کی ناموس) کا دفاع کر رہے تھے۔ رُوحُ القُدُس (جبریلِ امین) مسلسل تمہاری تائید کر رہے تھے ۔حضرت عائشہ بیان صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کرتی ہیں۔میں نے حضوراکرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا:حسّان نے اُن کی ہجوکر کے مسلمانوں کے دلوں کوٹھنڈک پہنچائی ،اور کفار کے دلوں کو رنجیدہ کیا۔

حضرت حسّان کے من جملہ اشعار میں سے ایک یہ ہے:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ　وَعِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ

ترجمہ: (اے دشمن رسول!) تونے حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناموس پرحملہ کیا،تو میں نے اس کا جواب دیا اوراللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے اس میں بڑی جزا ہے۔(صحیح مسلم:6273)

حضرت حسّان نے کفارِقریش کی ہجو کا ردکرنے کے لیے حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِمبارک کی تعمیل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناموسِ مبارک کا دفاع کیا اورآپ کے فضائل پرمبنی اشعار کہے، اوراُن میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احتیاط کاحکم دیا کہ چونکہ میرا نسب قریش کے ساتھ مخلوط ہے،اس

لیے ماہرِ انساب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں رہنمائی حاصل کرلو، تاکہ کہیں بالواسطہ آپ کے نسبِ پاک کی طرف طعن کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

موجودہ دور میں ناموس رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف باقاعدہ ایک عالمگیر مہم چلائی جارہی ہے۔ دورِ حاضر میں بلاگرز کا فتنہ اسی کی ایک کڑی ہے۔ آج بھی اگر تحفظ ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کوئی اشعار کا سہارا لیتا ہے تو وہ شعرائے کرام بہت مبارک ہیں، کیونکہ حضور اکرم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناموس کی حفاظت ہر مسلمان کی غیرت ایمانی کا تقاضا ہے، اور ہر مسلمان کو اپنی حیثیت اور دائرہ کار میں اس کے لیے تن من دھن سے حصہ لینا چاہیے۔

ہم یہ بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ قانونِ تحفظ ناموس رسالت 295-C میں کسی بھی قسم کی ترمیم کی نہ صرف ہر سطح پر مذمت اور مزاحمت ناگزیر ہے، بلکہ اس کے نفاذ کو غیر موثر بنانے کے لیے ضابطہ تعزیرات میں جو قانونی یا انتظامی اقدامات کیے جاتے ہیں، ان کی بھی مذمت اور مزاحمت ضروری ہے، مثلاً یہ کہ جب تک ایس ایس پی سطح کا پولیس افسر یا کسی سطح کا جج مطمئن نہ ہو، 295-C کی ایف آئی آر درج نہیں ہوگی۔

بلاگرز کا فتنہ

میں نے ''بلاگرز کا فتنہ'' کے عنوان سے 6: مارچ 2017ء کو ایک کالم لکھا، جس سے ایک اقتباس نقل کیا جارہا ہے۔

Blog کے معنی ہیں: اپنے نظریات، خیالات، مشاہدات اور تجربات کو باقاعدہ انٹرنیٹ پر محفوظ کرنا، تاکہ لوگ انہیں پڑھیں اور پھر اُن میں نئے اندراجات کرنا، کسی مسئلے پر واحد اندراج کو بھی کہتے ہیں۔ اسی کا اسمِ فاعل Blogger ہے۔ اقتباس درج ذیل ہے۔

''میں گزشتہ کچھ عرصے سے بعض اخبارات میں بلاگرز پر شدید ردِ عمل دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، شعائرِ دین اور دینی اقدار کو اپنے ابلیسی جذبات کے اظہار کے لیے تختۂ مشق بناتے ہیں۔ میرے لیے ایسی چیزوں کا پڑھنا یا سننا بھی دشوار ہے، کیونکہ نہ دل و دماغ ان چیزوں کو سننے کی تاب رکھتے ہیں اور نہ ہی نگاہ میں یہ حوصلہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ سکے۔ آئی ٹی کی وزارت کی ذمے داری ہے کہ ان بلاگرز کو فوری طور پر بلاک کریں، اور ان کی شناخت کر کے انہیں عبرت ناک سزا دیں، اُن کی خاموشی مجرمانہ ہے۔

ہمارے ہاں Cybercrime کا قانون بن چکا ہے، لیکن ہماری روایت یہ ہے کہ قوانین محض دکھاوے کے لیے بنائے جاتے ہیں، انہیں نافذ کرنے کا عزم اور حوصلہ نہیں ہوتا، بس وقت گزاری اور عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کا یہ ایک حربہ ہے۔ مزید المیہ یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے دل و دماغ پر ماڈریٹ اور لبرل بننے کا خبط سوار ہے، تاکہ اہلِ مغرب اور لبرل حلقوں میں اُن کے لیے ایک درجہ قبولیت پیدا ہوجائے۔ لبرل سے ایسے لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت، شعائرِ دین کی حرمت اور حبّ الوطنی ایسی اَقدار سے مادر پدر آزاد ہوں، اور اِن امور کو جب چاہیں، نشانے پر رکھ دیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، حضور اقدس رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قرآنِ کریم کی ناموس اور شعائرِ دین کی حرمت مسلمانوں کے لیے انتہائی حسّاس مسئلہ ہے۔

پہلے ایسی فضا پیدا کی جاتی ہے کہ مسلمان مشتعل ہوں، اور پھر اُن پر انتہا پسندی، نفرت انگیزی اور جذباتیت کی چھاپ لگادی جائے، اور جی بھر کر ملامت کی جائے۔ کئی دنوں سے ان بدنصیب بلاگرز کا مسئلہ چل رہا ہے، لیکن اِن لبرل حضرات نے اس پر نہ کوئی آواز اٹھائی، اور نہ ہی مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی۔ اگر کسی حسّاس ادارے کے بارے میں کوئی اس طرح کی حرکت کر بیٹھے تو اُسے غائب کردیا جاتا ہے، لیکن ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جن پر ہمارے ماں باپ اور ہم سب کی جانیں قربان ہوں، کے حوالے سے اداروں کو بھی کسی کارروائی کی توفیق نہیں ہوتی۔ مذہبی انتہا پسندی کا رونا تو روز رویا جاتا ہے، لیکن لبرل اور سیکولر انتہا پسندوں کے

بارے میں کوئی آواز نہیں اٹھاتا، انہیں فتنہ انگیزی، عصبیت اور انتہا پسندی کی کھلی اجازت ہے۔

ہماری گزارش ہے کہ قبل اس کے کہ مسلمان سڑکوں پر آئیں، اور اُن کے جذبات بے قابو ہو جائیں، آئی ٹی کی وزارت کے حکام، انٹیلی جنس ادارے اور دیگر حساس مراکز فوری اِقدام کرکے عوام کے جذبات مشتعل ہونے سے بچائیں۔ ہماری اعلیٰ عدلیہ آئے دن بعض معاملات پر از خود نوٹس لیتی رہتی ہے، لیکن ان حساس امور پر اُن کا Suo Moto نوٹس کبھی علم میں نہیں آیا۔ کیا ہماری لائقِ صد احترام عدلیہ اور فاضل جج صاحبان کے نزدیک مقدّساتِ دین کی حرمت ان امور کے برابر بھی نہیں، جن پر وہ آئے دن نوٹس لیتے رہتے ہیں۔ چیف جسٹس آف پاکستان سے نہایت ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ وہ اس پر فوری نوٹس لیں اور اس فتنے کی ہمیشہ کے لیے سرکوبی کریں۔ شاید اس کی برکت سے اُن کے حُسنِ عاقبت کا سامان ہو جائے۔

مزید گزارش ہے کہ دینی اَقدار کو پامال کرکے سوشل میڈیا پر جو بین المسالک فتنے برپا کیے جا رہے ہیں، اُن کا بھی سَدِّ باب کیا جائے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اِن مذہبی جیالوں کے پاس اس شِعار کا دینی جواز کیا ہے؟ مقاصدِ شریعت میں ایک سَدِ ذرائع ہے۔ اس کے معنی ہیں: ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنا کہ کسی برائی کے دَر آنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور (اے مسلمانو! مشرکوں کے) اُن (باطل) معبودوں کو برا نہ کہو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، مبادا وہ بے علمی اور سرکشی کے سبب اللہ کی شان میں کوئی ناروا بات کہہ دیں۔ (الانعام:108)

رب تعالیٰ نے یہاں یہ اصول بتایا کہ مشرکوں کے باطل معبودوں کی اہانت سے ممانعت کا سبب یہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی نظر میں قابلِ احترام ہیں، بلکہ یہ ہے کہ کہیں وہ ردِ عمل میں اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ نہ کہہ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کوئی شخص اپنے والدین پر کیوں لعنت کرے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے، تو وہ (جواب میں) اِس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے''۔ (بخاری:5973)

''کبیرہ گناہوں میں سے کسی شخص کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! وہ دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے، تو (ردِعمل میں) وہ اِس کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ اُس کی ماں کو گالی دیتا ہے، تو وہ اِس کی ماں کو گالی دیتا ہے''۔ (مسلم:146)

ان احادیثِ مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی کہ اگر کسی کو اپنے ماں باپ کی ناموس کی حفاظت کرنی ہے، تو اُسے دوسرے کے ماں باپ کی اہانت، گالی دینے یا اُن پر لعن طعن کرنے کی عادت کو ترک کرنا ہوگا، خواہ اُس کی نظر میں وہ کتنے ہی بے توقیر کیوں نہ ہوں، کیونکہ ردِعمل میں اِقدام کرنا انسان کی فطرت ہے اور اِس سے صرف پاک طینت لوگ ہی بچ سکتے ہیں۔ (مطبوعہ: روزنامہ دنیا، 6، مارچ 2017ء)

اہل سنت و جماعت کو متحد ہو کر تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے کوئی مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اہل سنت کی نشأۃ ثانیہ کے لیے ترجیحی امور

(ماخوذ از: فتاویٰ رضویہ، جلد 29، ص599، از: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے محبت کے دعوے تو بہت کیے جاتے ہیں، لیکن اُن کی تعلیمات اور شِعارِ زندگی سے اپنی ترجیحات کے مطابق استفادہ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اہل سنت و جماعت کی نشاۃ کے لیے جو ترجیحات بتائی تھیں، اُن پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے، پس لازم ہے کہ فکرِ امامِ اہل سنت کو من وعن قبول کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ بعض چیزوں کو

لے لیا اور بعض کو چھوڑ دیا،اسی کو انگریزی میں Pick & Choose کہا جاتا ہے۔آپ نے اہل سنت وجماعت کی نشأۃ ثانیہ کے لیے جو بارہ نکاتی منشور دیا،سب اپنے اپنے گریبان میں جھانکیں اور فیصلہ کریں کہ اس منشور پر ہم نے کس حد تک عمل کیا ہے؟امامِ اہل سنت نے اپنی ظاہری حیات میں جو دردِ دل بیان کیا تھا ،کیا آج تقریباً ایک صدی گزرنے کے باوجود ہم نے اُن کی روح کو سکون پہنچانے کا قابلِ اطمینان اہتمام کیا ہے؟

امام اہل سنت کے منشور درجِ ذیل ہیں:

(۱)اہل سنت وجماعت کی خالص اجتماعی قوت کی ضرورت ہے،مگراس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے:

(الف)علما کا اتفاق (جو کہ امامِ اہل سنت کے بقول اُن کے عہد میں بھی مفقود تھا)

(ب)تحمل شاق قدر بالطاق (یعنی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق مشکلات کو برداشت کرنا)

(ج)امرا کا اِنفاق لوجہ الخلاق (یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اُمرا کا دینی ترجیحات کے مطابق اس طرح مال خرچ کرنا کہ نام ونمود کا شائبہ تک نہ ہو۔جب کہ اعلیٰ حضرت کے بقول ہمارے اغنیا نام ونمود چاہتے ہیں اور وہ اپنی مَن پسند ترجیحات میں خرچ کرتے ہیں)

(۲)سودی نظام کے شکنجے سے نجات دلانے کے لیے مسلمانوں کے اپنے مالیاتی ادارے ہوں،جو اسلامی شراکت ومضاربت کے اصولوں پر تاجروں اور صنعت کاروں کی معاشی ضروریات کو پورا کریں۔

امامِ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان مزید لکھتے ہیں:

(۱)عظیم الشان مدارس کھولے جائیں،باقاعدہ تعلیمی نظام ہو۔

(۲)اہل اور لائق طلبہ کو وظائف ملیں کہ وہ تعلیمِ دین کی طرف مائل ہوں۔

(۳)مدرسین کو اعلیٰ معیار پر بیش بہا تنخواہیں دی جائیں۔

(۴)علم کے شعبوں میں طلبہ کے طبعی رجحان کو جانچا جائے۔ (طبعی رجحان کی جانچ کو آج کل Aptitude Test کہتے ہیں۔اُن کی طبیعت کا میلان دین کے جس شعبے کی طرف زیادہ ہو،انہیں اُسی شعبے کا متخصص (Specialist) بنایا جائے۔اس حکمتِ عملی کے تحت اہل سنت کے لیے مختلف شعبوں کے ماہرین تیار ہوں گے،یعنی مدرسین،مصنفین،واعظین اور حسبِ ضرورت مناظرین،پھر تصنیف اور مناظرہ کے بھی کئی شعبہ جات ہیں۔

(۵)ہر شعبہ کے ماہرین کو معیاری تنخواہیں دے کر ملک بھر میں پھیلایا جائے،تاکہ تحریر،تدریس،خطابت ووعظ اور مناظرہ،الغرض ہر شعبے میں اشاعتِ دین کا کام اعلیٰ معیار پر جاری وساری رہے۔

(۶)مصنفین کو معقول اعزازیہ دے کر دینِ حق کی حمایت اور باطل مذاہب کے رد میں دلائل حق پر مبنی تصانیف کا اہتمام کیا جائے۔

(۷)پھر اِن تصانیف کو اعلیٰ معیار پر طبع کر کے ان کی اشاعت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔

(۸)اہل سنت وجماعت کی ایک مجلسِ مفکرین (Think Tank) ہو،جو یہ طے کرے کہ کہاں کہاں اور کس شعبے میں ترجیحی طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

(۹)مختلف علمی شعبہ جات کے کئی ایسے متخصصین ہیں جو اپنے معاشی مشاغل کی وجہ سے اُن شعبہ جات میں خدمتِ دین کے لیے وقت نہیں نکال پاتے،انہیں بیش بہا وظائف دے کر معاشی ضروریات سے مستغنی کیا جائے،تاکہ اُن کا جوہرِ قابل (Talent) دین کے کام آئے۔

(۱۰)دینی رسائل وجرائد اور اخبارات کا اجرا بھی ہر عہد کی ضرورت ہے۔یہ علمی مواد بلا قیمت یا لاگت پر مہیا کیا جائے۔

نوٹ:ہم نے امام اہل سنت کے افکار کا خلاصہ سہل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔نصف صدی قبل حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا دردِ دل اس رباعی میں بیان کیا ہے۔

اہل سنت بہرِ قوالی وعرس　　دیوبندی بہرِ تصنیفات ودرس
خرچِ سنی بر قبور وخانقاہ　　خرچِ نجدی بر علوم ودرس گاہ

رضویات　　قسط سوم

امام احمد رضا اور اکابر امت کا دفاع

تحریر: مفتی فیضان المصطفیٰ قادری (امریکہ)

امام نسفی اور امام احمد رضا

زیر نظر مضمون میں ہم امام احمد رضا قدس سرہ کے ان کلمات کا خلاصہ درج کریں گے جو انھوں نے کنز الدقائق اور تفسیر مدارک کے مصنف امام ابوالبرکات النسفی کے دفاع میں تحریر کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے ''المعتقد المنتقد'' میں نبوت کے بیان میں امام نسفی کی ایک عبارت پیش کر کے ایسی تنقید کی ہے جس سے امام نسفی پر ''تشبہ بالاعتزال'' کا الزام آتا ہے۔ جس پر امام احمد رضا قدس سرہ باوجودیکہ نفسِ بحث میں مصنف سے اتفاق رکھتے ہیں اور امام نسفی سے اتفاق نہیں کرتے، اعتزال والی بات گوارا نہیں کرتے اور امام نسفی کے دفاع میں بڑا تفصیلی کلام کرتے ہیں۔

نقطۂ اختلاف علم کلام کا ایک دقیق مسئلہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ پر انبیائے کرام کو مبعوث کرنا واجب ہے؟ یا نہیں؟ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ محض ہے کہ اس نے انبیائے کرام مبعوث فرمائے، ورنہ اس پر کچھ بھی واجب نہیں، لیکن معتزلہ اسے اللہ تعالیٰ پر واجب قرار دیتے ہیں، جس کی بنیاد اُن کا یہ اصولی مسئلہ ہے کہ ''اصلح للعباد'' یعنی ایسا کام جس میں بندوں کی بہتری ہو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ امام ابوالبرکات نسفی کی ''عمدۃ العقائد'' کی ایک عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی وجوب کے قائل ہیں، جس کے پیش نظر علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے اسے ان کی لغزش، خلافِ حق، لائقِ ردّ اور اعتزال سے اختلاط کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کے اس تبصرہ کے باقی حصوں سے امام احمد رضا کو اتفاق ہے، لیکن ''اعتزال سے اختلاط'' والی بات آپ کو تسلیم نہیں۔ امام احمد رضا کے نزدیک اگر امام نسفی کی بات کی تاویل ہو سکتی ہے تو کیوں نہ کی جائے! چنانچہ آپ نے اس کی تاویل کی ہے، جس کے لیے دقیقہ سنجی اور باریک بینی کو بروئے کار لاتے ہوئے فکر و نظر کو پوری جولانیت دی ہے، جس کے سبب یہ بحث ''المستند المعتمد'' کے کئی صفحات پر پھیل گئی ہے، ہم ذیل میں پہلے امام نسفی کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں تا کہ اندازہ ہو کہ امام احمد رضا نے کیوں ان کے قول کی تاویل میں اس قدر جگر کاوی سے کام لیا ہے۔

امام ابوالبرکات النسفی رحمہ اللہ

امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود ابوالبرکات النسفی ساتویں صدی ہجری کی عظیم علمی شخصیت کا نام ہے جو زہد و تقوی اور علم و تحقیق میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، فقہ و اصول کے عبقری، عربی زبان و ادب کے ماہر اور تفسیر قرآن میں استاذ تھے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے انھیں ''علامۃ الدنیا'' کہا، اسی وجہ سے امام نسفی کو اپنے عہد کے فقہا و متکلمین دونوں میں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ علامہ ابن کمال پاشا نے انھیں مقلدین کے اصحاب تمیز کے طبقہ میں شمار کیا ہے، اور فرمایا: **وبه اختتم الاجتهاد ولم يوجد بعده مجتهد في المذاهب۔**

آپ ایک عظیم مصنف ہیں، آپ کی متعدد کتابیں علمی دنیا میں

متون کی حیثیت رکھتی ہیں، فقہ میں مذہبِ امام ابوحنیفہ کے پیروکار تھے۔ مذہب حنفی کا متن کنز الدقائق، نور الانوار کا متن ''المنار'' اور تفسیر قرآن ''مدارک التنزیل'' آپ کی شہرۂ آفاق تصنیفات ہیں جو درس نظامی کا حصہ ہیں، اسی طرح کافی شرح وافی نے بھی آپ کو شہرت دوام عطا کیا ہے۔ عقیدہ میں آپ ماتریدی ہیں اور آپ کی کتاب عمدۃ العقائد علم کلام کی مستند کتاب مانی جاتی ہے، ان کے علاوہ بھی ان کی تصنیفات کی ایک لمبی فہرست ہے جس کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام و مسلمین کی گزشتہ آٹھ سو سالہ علمی تاریخ امام نسفی کے زیر احسان ہے۔ ان کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی۔

ان کی کتاب کنز الدقائق اس قدر مقبول ہوئی کہ ماہرین فقہ نے اس کی ضخیم ضخیم شرحیں لکھیں، جن میں امام زین بن نجیم مصری کی البحر الرائق، علامہ فخر الدین الزیلعی کی تبیین الحقائق اور علامہ عمر بن نجیم کی النہر الفائق کو قبول عام حاصل ہوا، اصول فقہ میں ان کی کتاب المنار کی شرحوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جن میں نور الانوار درس نظامی کا حصہ ہے۔ عقیدہ میں آپ کی کتاب عمدۃ العقائد ہے جو بعد کی کتب کلامیہ مثلاً شرح عقائد نسفیہ شرح مقاصد، شرح مواقف، مسایرہ مسامرہ وغیرہ کا مرجع و ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ عقائد نسفیہ جس کی شرح للتفتازانی درس نظامی کا حصہ ہے وہ امام ابوالبرکات النسفی کی تصنیف نہیں، بلکہ وہ علامہ ابوحفص عمر بن محمد النسفی کی تصنیف ہے۔

اتنے عظیم محسن اور عبقری شخصیت کی باتیں اگر خلاف واقعہ بھی ہوں تو بھی بے وزن نہیں قرار دی جاسکتیں، اور اگر ان کی کسی بات کو اعتزال کا اثر قرار دیا جائے تو پھر ان کی اس قدر علمی وراثت پر اعتماد متاثر ہوگا۔ اس لیے امام احمد رضا نے اس مقام پر امام نسفی کا دفاع کرنا ضروری سمجھا۔

اب ہم اصل بحث کا رخ کرتے ہیں، ہمیں اندازہ ہے کہ اس بحث کے علمی دقائق کے پیش نظر ہمارے کچھ قارئین اس کے متحمل نہیں، لیکن ہم حتی الامکان آسان الفاظ میں پیش کریں گے تاکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہو جائے کہ اکابرین امت کی بات آجائے اور تاویل ہو سکتی ہو تو ضرور کرنی چاہیے اور حتی الامکان تغلیط سے پرہیز کیا جانا چاہیے، یہی اعلیٰ حضرت کا علمی مزاج و مسلک ہے۔

علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے المعتقد میں نبوت کے بیان میں لکھا کہ ''امام نسفی العمدۃ میں لکھتے ہیں کہ رسولوں کو انذار و تبشیر کے ساتھ بھیجنا ممکن بلکہ واجب ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا نہ ہونا محال ہے۔ انتہیٰ۔ یہ علامہ نسفی کی لغزشوں میں سے ایک لغزش ہے اور ان کا اعتزال سے مل جانا ہے اور یہ تمام اپنے ظاہری معنی کے مطابق خلافِ حق اور قابل رد ہیں''۔

(وقال النسفي في العمدة: ارسال الرسل مبشرين ومنذرين في حيز الامكان بل في حيز الوجوب والظاهر استحالة تخلفه انتهى، وهذا من جملة زلات النسفي واختلاطه مع الاعتزال، والكل مردود على ظاهره ومخالف للحق.

(المعتقد المنتقد ص ۹۸ مطبوعة المجمع الاسلامي مباركفور)

امام احمد رضا کی تحقیق کا خلاصہ

اس پر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے حاشیہ لگایا اور پوری تفصیل سے کلام فرمایا جس کو آسانی کے لیے ہم تین حصوں میں پیش کرتے ہیں: (۱) تمہید (۲) امام نسفی کے قول کی تاویل و توضیح (۳) ان کے نظریۂ وجوب کا رد۔

تمہید:

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ اِس مقام پر امام نسفی کے موقف کا معتزلہ سے خلط ملط ہو جانا درست نہیں، بلکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، اور تاویل کرنا بہتر ہے جس کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اور امام ابوالبرکات النسفی ان جیسے کلمات میں منفرد نہیں، بلکہ ہمارے کئی مشائخ ماتریدیہ

اس مقام پر ان کے موافق ہیں۔اور اگر قال سے حال کی طرف چلیں تو اکابر صوفیا بھی ان سے متفق ملیں گے، حاشا وکلا! کہاں وہ اعاظم واکابر! اور کہاں معتزلہ کی گمراہی!۔تو میں چاہتا ہوں کہ امام نسفی کے کلام کا مناسب محمل بیان کروں اگر چہ اس مسئلہ کے اکثر فروع میں ہمارے نزدیک پسندیدہ ومختار وہی ہے جسے مصنف (علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ) نے اختیار کیا ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق: باری تعالیٰ سے اس کے افعال کے صدور میں لوگوں کے مختلف نقطہائے نظر ہیں:

فلاسفہ اسے واجب کہتے ہیں یعنی ایسا کہ ترک کا اختیار نہیں۔ یہ کھلا ہوا کفر ہے۔معتزلہ اور روافض چند افعال کو باری تعالیٰ پر واجب قرار دیتے ہیں۔ ہمارے تمام ائمہ اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں۔ وہ حاکم ہے اس پر کوئی حاکم نہیں، اس کی قدرت بمعنی فعل وترک فعل دونوں کی نسبت اس کی طرف برابر ہے کسی کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں، صفت ارادہ ہے جو ایک کی دوسرے پر ترجیح کا سبب ہے۔اس قدر اجماعی ہے۔

اب اہل سنت وجماعت میں حسن وقبح کے عقلی ہونے میں اختلاف ہوا، اشاعرہ نے اس کا مکمل انکار کیا اور اس کا اتنا رد کیا کہ اذہان میں یہی راسخ ہو گیا، حتیٰ کہ اُس نکتے سے بھی غفلت ہوئی جس پر اتفاق تھا، اور یہ لوگ امتناع الکذب جیسے امور کی اس تعلیل میں پریشان ہوئے کہ یہ نقص ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر محال ہے۔

چونکہ اشاعرہ نے حسن وقبح کے عقلی ہونے کا انکار کیا اس لیے مطیع کو ثواب دینا، کافر کو عذاب دینا، رسولوں کی جماعت بھیجنا، محال کا مکلّف بنانا وغیرہ کچھ بھی ان کے نزدیک حکم شرع سے پہلے نہ حسن ہے نہ قبیح ہے۔توان کے مطابق کسی کام کی خوبی حکم وارد ہونے کے بعد معلوم ہوگی، یوں ممکنات کی نسبت ''حکمت وارادہ'' کی طرف بھی بالکل ویسی ہی ہے جیسی ''قدرت'' کی طرف ہے، کیوں کہ ان کے مطابق فعل فی نفسہ حکمت کے موافق یا مخالف ہونے سے عاری ہے جب تک کہ صفت ارادہ اس کا تقاضا یا منع نہ کرے۔

ہمارے ائمہ ماتریدیہ نے درمیانی راہ اختیار کی، یعنی یہ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اور مختلف افعال کے اندر بذات خود حسن وقبح کی صفات پائی جاتی ہیں، عقل اس کا ادراک مستقلاً کر سکے یا نہ کر سکے، بعض وہ افعال ہیں جو موافق حکمت ہیں مثلاً نیکوں کو ثواب دینا اور کافروں کو عذاب دینا، بعض مخالف حکمت ہیں جیسے ان کے برعکس یعنی نیکوں کو عذاب اور کافروں کو ثواب دینا۔اور کوئی چیز کبھی بذات خود تو ممکن ہوتی ہے لیکن کسی غیر کے سبب محال ہو جاتی ہے، یعنی ممکن ذاتی، محال بالغیر ہو سکتی ہے، اس لیے ''محال وقوعی'' اگر فی نفسہ ممکن ہے وہ باری تعالیٰ کا مقدور ہے۔لیکن صفتِ ارادہ سے تعلق ''امکانِ وقوعی'' پر موقوف ہے، کیوں کہ جس کا وقوع ممکن نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ تحتِ قدرت ہونے سے یہ لازم نہیں کہ مقدور وجود میں آجائے، برخلاف ارادۂ الٰہیہ کے، کہ وہ کسی چیز سے متعلق ہو جائے تو وہ چیز ضرور معرض وجود میں آجائے گی۔

امام نسفی کے قول کی تاویل وتوضیح:

جب اس قدر باتیں معلوم ہو گئیں تو واضح ہے کہ تمام ممکنات تحت قدرت الٰہی ہیں، خواہ حکمت باری کے موافق ہوں یا نہ ہوں، لہٰذا جبر وایجاب نہیں۔لیکن صفت ارادہ کا تعلق ان میں اسی ممکن سے ہو سکتا ہے جو موافق حکمت ہو، ورنہ سفہ لازم آئے گا جو کہ باری تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ تو جو موافق حکمت ہو وہ باری تعالیٰ کی طرف سے حیز وجوب میں ہوگا (وجوب منہ) کیونکہ وہ اس کے ارادہ واختیار سے صادر ہوا ہے۔ وہ وجوب (وجوب علیہ) نہیں جس کا مطلب ہے کہ خلاف پر قدرت نہیں، جس کے قائل فلاسفہ ہیں۔اور وہ ''وجوب علیہ'' بھی نہیں جس کے قائل معتزلہ اور روافض ہیں۔ اسی طرح جو ممکن حکمت باری تعالیٰ کے خلاف ہے وہ ممتنع بالغیر کی حیز میں ہوگا کیوں کہ اس کا مراد الٰہی ہونا محال ہے حالانکہ وہ مقدور الٰہی ہے۔تو امر واضح ہو گیا اور اشکال دور ہو گیا اور مذکورہ علما اور معتزلہ کے قول وجوب

افعال باری میں فرق واضح ہوگیا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے علامہ بحر العلوم کی فواتح الرحموت اور شرح مسلم سے عبارتیں پیش کیں جس میں علامہ نے فعل باری تعالیٰ کے لیے وجوب کا لفظ استعمال فرمایا، اس کے بعد فرماتے ہیں: **فاستبان معنی الوجوب الخ** یعنی جس وجوب کا قول ان بزرگوں نے ان مقامات پر کیا یہ ''اعتزالی وجوب'' یا ''فلسفی وجوب'' نہیں ہے، بلکہ یہ وجوب سنی حنفی حنیفی ہے۔

یہاں تک تو اصولی بحث تھی، اب فروع کا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں نظریاتی اختلاف ہوا کہ بعض افعال حکمت کے منافی ہیں تو محال بالغیر ہوئے اور بعض حکمت کے مطابق ہیں تو واجب بالغیر ہوئے۔ جیسے امام نسفی کے نزدیک کافر کو معاف کرنا، اور جمہور کے نزدیک تعذیبِ مطیع محال بالغیر ہے، یوہیں امام نسفی کے نزدیک ارسال رسل اور جمہور کے نزدیک اثابت مطیع واجب بالغیر ہیں۔ یہ ان علما کے نظریات کی تقریر ان کے کلام کے مطابق تھی۔

نظریۂ وجوب کا رد:

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نظریۂ وجوب کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاقول مستعینا بالجلیل: اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اس کے حکمت بالغہ کے موافق ہوتے ہیں، جو اس نے کیا وہ کسی نہ کسی حکمت کی وجہ سے کیا اور جو ترک فرمایا وہ کسی حکمت کے سبب ترک فرمایا۔ ہر فعل و ترک میں اس کی حکمتیں ہیں جنھیں وہی جانتا ہے، اور بلا شبہ کسی چیز کا حکمت کے منافی ہونا اسے محال بنا دیتا ہے۔ لیکن کسی چیز کا حکمت کے موافق ہونا اسے واجب کردے ایسا ضروری نہیں، جیسے کہ ایک فعل اور اس کا خلاف' دونوں میں حکمت ہو تو ہر دونوں فعل میں حکمت کی موافقت پائی جاتی ہے، پھر بھی دونوں میں سے کوئی بھی واجب نہیں، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کسی گنہگار کو سزا دے تو وہ سزا عدل اور حکمت کے طور پر ہوگی اور اگر معاف کردے تو یہ اس کی حکمت بالغہ اور بخشش و مہربانی کے طور پر ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں: **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.** اس آیت کریمہ میں مغفرت کے ساتھ ''العزیز الحکیم'' کے ذکر سے اشارہ ہے کہ مغفرت بھی عین حکمت ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کے دربار میں باغیوں کا گروہ پیش کیا جائے تو خواہ وہ بادشاہ کتنے ہی مہربان اور عفو وکرم والے کیوں نہ ہوں انھیں معاف نہ کریں گے، یا تو اس ڈر سے کہ کہیں یہ باغی پھر غالب نہ آجائیں، یا پھر دشمنوں پر قابو پاکر چھوڑ دینے کی حماقت سے بچنے کے لیے، اللہ رب العزت تو ان تمام باتوں سے بری اور غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا،

تو اس کے تمام افعال وتروک یقیناً حکمت کے مطابق ہیں اور ہوسکتا ہے کہ کچھ افعال ایسے ہوں جنھیں حکمت' محال اور اس کا ترک واجب قرار دے، اگرچہ قدرت ان دونوں کو شامل ہو۔ لیکن ہم کوئی ایسا فعل نہیں سمجھتے جسے حکمت واجب اور اس کا ترک محال قرار دے، باوجود اس کے کہ قدرت ان دونوں کو شامل ہو، ہاں ایسا علم واخبار کے اعتبار سے ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ مطیع کی تعذیبِ محض محال ہو تو مطیع کو ثواب دینا عقلاً واجب نہیں ہوجاتا، اگرچہ سمعاً واجب ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ ''یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دوں''۔ یوہیں تعذیب کافر، ارسال رسل، اور انزال کتب سب حکمت کا تقاضا ہے، مگر ایسا نہیں کہ یہ تقاضائے حکمت انھیں حیز وجوب تک پہنچادے، اللہ کی شان یہ ہے کہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جو چاہے کرے۔

یہ میری غور وفکر کا حاصل ہے اگر درست ہے جیسا کہ مجھے امید ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں خطا ہے تو میں اللہ کی بارگاہ میں ہر خطا سے توبہ کرتا ہوں اور جو رب کے نزدیک حق ہے اس سے دل وابستہ کرتا ہوں۔ وہو حسبی ونعم الوکیل۔

(ملخصاً المعتمد المستند صفحہ ۹۸ تا ۱۰۵)

مذکورہ بحث امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے حاشیہ المعتمد المستند سے ماخوذ ہے، اس ضمن میں آپ نے بہت گوشوں پر کلام کیا

ہے، ہم نے صرف مرکزی نکات ذکر کیے ہیں۔ جنھیں اصل عبارت سے علمی حظ لینے کا شوق ہو وہ اس مقام کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

چونکہ ان نگارشات کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کا ردعمل اُس وقت کیسا ہوتا ہے جب وہ کسی بزرگ کے ایسے ریمارکس تک پہنچتے ہیں جو دوسرے بزرگ تر کے خلاف ہوں، تا کہ انھیں نکات کو اعلیٰ حضرت کا علمی و عملی مسلک و مزاج سمجھ کر ہم بھی اختیار کریں۔ لہٰذا ذیل میں ہم وہ نکات ذکر کرتے ہیں جو اس بحث سے ابھر کر سامنے آتے ہیں:

حاصل نکات:

(۱) پوری بحث کے خلاصے کے طور یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیائے کرام کی بعثت اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے، یا اللہ پر واجب ہے۔ اول الذکر اہل سنت و جماعت کا موقف ہے اور آخر الذکر معتزلہ کا۔ امام نسفی کی ایک عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ بھی واجب مانتے ہیں، اسے مصنف بھی غلط مانتے ہیں اور محشی بھی، لیکن مصنف نے اس خطا کو معتزلہ سے اختلاط کا نتیجہ قرار دیا ہے اس پر امام احمد رضا کو اعتراض ہے اور آپ نے اس پر پورا قلمی زور صرف کر دیا ہے کہ اگر امام نسفی کے قول کی تاویل ہوسکتی ہو تو اعتزال سے اختلاط کا الزام کیوں دیا جائے؟

(۲) پوری بحث سے یہ بھی واضح ہوا کہ وجوب کا قول صرف امام نسفی کا نہیں بلکہ چند اور ائمہ ماتریدیہ بلکہ صوفیائے کرام سے بھی وارد ہوا، اس پر امام احمد رضا نے جو تحقیق پیش کی اس سے اندازہ ہوا کہ ان ائمہ ماتریدیہ کا ''وجوب'' معتزلہ کے ''وجوب'' سے بہت مختلف ہے، اول کو ''وجوب منہ'' اور ثانی کو ''وجوب علیہ'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان دونوں کا فرق بہت واضح ہے کہ پہلا وجوب بالاختیار ہے جو منافیٔ اختیار نہیں اور دوسرا منافیٔ اختیار ہے، تو دونوں کو یکساں اور خلط ملط کا نتیجہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

(۳) المعتقد کے مصنف علامہ فضل رسول بدایونی اور اس کے محشی امام احمد رضا قدس سرہما دونوں بزرگ، مذہب و مسلک و مشرب ہر اعتبار سے ایک مذاق و مزاج رکھتے ہیں اور محشی ہر مقام پر مصنف کی تائید و حمایت کرتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر مصنف سے کوئی ایسا ریمارک سرزد ہو جائے جس سے کسی عظیم تر شخصیت پر حرف آتا ہو تو اسے محض اس لیے نظر انداز کر دیا جائے کہ اصول و فروع میں اتفاق و یگانگت کے ماحول میں چھوٹی سی بات برداشت کر لینی چاہیے اور بزرگ کی عزت و حرمت کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(۴) امام نسفی علیہ الرحمہ کے قول کی تاویل میں امام احمد رضا قدس سرہ نے خاصی فکری توانائی صرف کی ہے اور بحث کو کئی صفحات پر پھیلایا ہے، جسے پڑھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ یہی موقف حق ہے، مگر آخر میں اعلیٰ حضرت نے امام نسفی کے اِس موقف کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ کوئی فعل حکمت الٰہیہ کے خلاف ہو تو وہ محال تو ہوگا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ کوئی فعل حکمت کے موافق ہو تو واجب ہو جائے، لہٰذا ہمارے رب پر کچھ بھی واجب نہیں، وہ فاعل مختار ہے۔ یعنی جس کی تاویل میں اس قدر مفصل کلام کیا اسے بالآخر رد کر دیا، گویا پوری بحث کا حاصل بس اس قدر ہے کہ امام نسفی پر ان کے ایک ''نادرست قول'' کی بنا پر اعتزال کا الزام نہ دیا جائے، اور اس کی تاویل کی جائے، اکابر کی حرمتوں کی پاسداری کی یہ اعلیٰ مثال ہے۔

(۵) اس بحث کے شروع میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی مصنف نے امام نسفی پر کچھ نقد کیے تھے جنھیں ہم نے چند وجوہ سے نظر انداز کر دیے، اس کی ایک وجہ یہ فرمائی کہ بات اتنی بڑی نہ تھی کہ اس پر عام لوگوں کو توجہ دلائی جائے۔ (**قد سکتنا علیه فیما سبق من بعض تعالیقنا مشیاً علی الظاهر المتبادر وحذاراً للعثار علی الناظر القاصر. صفحه۹۸**) امام احمد رضا قدس سرہ کے اس طرز عمل کا حاصل یہ ہے کہ کسی خلافِ حق مسئلے کو لوگوں کی دانست میں اُسی وقت لانا چاہیے جب ایسا کرنا ضروری ہو، ورنہ ہر کس و ناکس کے سامنے ہر بات پر رد و قدح اور نکیر، حکمت کا تقاضا نہیں۔



بحث وتحقیق **قسط چہارم**

شیعہ امامیہ اور اصول روایت: عرض ونقد

از: مفتی ازہار احمد امجدی ازہری (فاضل جامع ازہر مصر)

حدیث ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں اقسام سابقہ میں سے کسی ایک کی بھی شروط موجود نہ ہوں، اس طرح کہ اس کی سند فسق وغیرہ سے مجروح شخص یا مجہول الحال یا اس کے مشابہ جیسے وضاع وغیرہ پر مشتمل ہو۔ (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ص ا ج ۱۷۷)

درجات ضعیف: شروط صحت کی کمی کے اعتبار سے حدیث ضعیف کے درجات مختلف ہوتے ہیں، جیسے صحیح، حسن اور موثق کے درجات اوصاف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، جس قدر اس کے رجال میں شروط صحت کی کمی ہوگی اسی قدر اس میں ضعف زیادہ ہوگا (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ص ا ج ۱۷۷)

شیعہ امامیہ کے اکثر علما نے حدیث ضعیف پر قصص، مواعظ اور فضائل اعمال کے باب میں عمل کرنے کی اجازت دی ہے، البتہ اللہ تعالی کی صفات اور حلال وحرام کے احکام میں قابل قبول نہیں، مگر یہ اسی صورت میں ہے جب کہ حدیث ضعیف وضع اور گڑھنے کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو۔ (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ج ا ص ۱۹۲)

جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ اہل سنت و جماعت کو علوم حدیث کی اولیت وسبقت حاصل ہے، اسی سبب شیعہ امامیہ کی تعریفات حدیث: مدرج، متصل، مرفوع، موقوف، مقطوع، مضمر، مرسل، معضل، معلق، معل، مدلس، معنعن، مزید، مفرد، شاذ، محفوظ، منکر، معروف، مدرج، مصحف، مسلسل، مضطرب، مقلوب اور موضوع، اہل سنت وجماعت کی تعریفات سے جا بجا عموما متاثر نظر آتی ہیں، اس وجہ سے میں یہاں پر ان احادیث میں سے بعض ہی کے متعلق گفتگو کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

حدیث مضمر: وہ حدیث ہے جس میں معصوم علیہ السلام تک سند پہونچنے کے بعد ان کے ذکر کو ضمیر غائب کا استعمال کر کے تقیہ، یا پہلے لفظ یا کتابت میں ذکر ہونے کی وجہ سے کسی سبب کے پیش نظر پوشیدہ رکھا گیا ہو، جیسے کہا جائے: سألتہ یا سمعتہ یقول یا عنہ وغیرہ کا استعمال کرے۔ (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ج ا ص ۳۲۹)

احادیث مضمرہ کی حجیت: ان احادیث کی حجیت اور عدم حجیت کے بارے میں فقہائے امامیہ کے تین اقوال ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حدیث مضمر مطلقاً حجت نہیں، یعنی خواہ حدیث مضمر کو روایت کرنے والا فقہا میں سے جیسے زرارہ وغیرہ یا ثقات میں سے ہو، کیوں کہ اس میں ضمیر کا معصوم علیہ السلام کے علاوہ کی طرف لوٹنے کا احتمال ہے، اور یہی عدم حجیت کے لیے کافی ہے۔

(۲) حدیث مضمر مطلقاً حجت ہے، کیوں کہ اصحاب ائمہ علیہم السلام سے یہی ظاہر ہے کہ وہ لوگ صرف ائمہ سے ہی پوچھتے ہیں اور کوئی حکم شرعی صرف انہیں سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) اگر حدیث مضمر کی روایت کرنے والا اجلہ رواۃ وفقہا میں سے ہو، تو اس کی روایت کردہ حدیث مضمر قبول کی جائے گی، اور اگر ان میں سے نہ ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔ (قواعد الحدیث/ موسوی، ص ۲۱۷، ۲۱۹)

شیعہ عالم غریفی نے لکھا: احادیث مضمرہ کے حجت ہونے پر مطلقاً کوئی دلیل موجود نہیں، اور مشائخ کا ان احادیث کو اپنی 'مجامع' میں ذکر کرنا صرف معصوم علیہ السلام سے ان کے احکام کے صدور میں

اجتہاد ہے، اور یہ معصوم علیہ السلام سے صدور کے اثبات کے لیے حجت نہیں۔ (قواعد الحدیث/موسوی،ص ۲۲۵) یعنی شیعہ امامیہ کے نزدیک احادیث مضمرہ حجت نہیں۔

حدیث موضوع: وہ حدیث ہے جو جھوٹ اور گڑھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اس کے وضع کرنے والے نے اس کو اپنی طرف سے گڑھا اور بنایا ہے۔ یہ ضعیف کے اقسام میں سب سے بری قسم ہے، اس کو احکام، مواعظ اور قصص وغیرہ کہیں بھی روایت کرنے کی اجازت نہیں، ہاں اگر اس کے موضوع ہونے کی صراحت کردی جائے؛ تو بیان کی جاسکتی ہے۔

علامات وضع:

(۱) واضع حدیث، گڑھنے کا اقرار کرلے (۲) عقل کے خلاف ہو، اور تاویل قبول کرنے کے قابل نہ ہو (۳) راوی سنی اور حدیث، خلافت خلفائے ثلاثہ اور ان کے فضائل میں ہو، اور اس کے علاوہ بہت سارے قرائن ہیں جو وضع پر دلالت کرتے ہیں، لیکن لازم وضروری ہے کہ جب تک حدیث کے موضوع ہونے کا یقین نہ ہوجائے محض احتمال کی وجہ سے کوئی اس حدیث کو موضوع قرار نہ دے۔ (مقباس الھدایۃ/مامقانی، ج ا ص ۳۹۹)

اصناف وضاعین:

(۱) بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے لیے حدیث گڑھنا (۲) روزی روٹی حاصل کرنے کے لیے احادیث گڑھنا (۳) اللہ تعالی کا قرب اور اس سے ثواب حاصل کرنے کے لیے ایسی احادیث گڑھنا جو لوگوں کی ترغیب وترہیب میں معاون ہو (۴) زنادقہ کا مذہب اسلام میں فساد پھیلانے اور مذاہب فاسدہ کی تائید میں احادیث گڑھنا۔

علامات وضع، اصناف وضاعین اور ان کی مثالیں سب اس فن کے سابقین اہل سنت وجماعت سے متاثر نظر آتی ہیں، یہاں تک عموما مثالیں بھی وہی ہیں جو علمائے اہل سنت نے ذکر کی ہیں۔ شیعہ امامیہ خود اپنی طرف سے جدید مثالیں پیش کرنے سے بھی عاجز رہے، اسی لیے یہاں پر مثالیں پیش کرنے سے پہلوتہی کرلیا گیا۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک راوی کی روایت قبول کیے جانے کی شرطیں:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) ایمان (۵) عدالت (۶) ضبط۔

بلوغ: اس سے حقیقی بلوغت مراد ہے، یعنی جو محض ممیّز نہ ہو، بلکہ درحقیقت بالغ ہو۔ ممیّز (باشعور غیر بالغ) کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن مشہور اور مذاہب اصحاب سے معروف یہی ہے کہ ممیّز کی بھی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

ایمان: شیعہ امامیہ کے نزدیک ایمان سے مراد امامی واثنا عشری ہونا ہے، بہت سارے لوگوں نے اس شرط کا اعتبار کیا ہے۔ اس شرط کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مخالفین اور دوسرے تمام شیعہ فرقوں کی روایت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

شیعہ امامیہ کے امام شیخ طوسی نے مخالفین کی روایت پر عمل کرنے کی اجازت دے کر اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ یہ جواز ان کے نزدیک اس صورت میں ہے جب کہ مخالفین ان کے ائمہ علیہم السلام سے روایت کریں، اصحاب کی روایت میں اس کے مخالف کوئی روایت موجود نہ ہو، اور نہ ہی ان کا کوئی قول اس بارے میں مشہور ہو۔

عدالت: شیعہ امامیہ کے نزدیک عدالت درج ذیل متعدد امور سے ثابت ہوتی ہے:

(۱) راوی کی طویل صحبت اختیار کرنا جس کی وجہ سے اس کے ظاہر وباطن پر مطلع ہوجائے، اس طور سے کہ اس کی عدالت کا اطمینان عادی حاصل ہوجائے، لیکن یہ صرف راوی معاصر کے ساتھ خاص ہے (۲) اہل علم یعنی اہل حدیث کے درمیان راوی کی عدالت کا مشہور ومستفیض ہونا، اس کے بعد اس کی عدالت کے ثبوت کے لیے کسی معدل کی حاجت نہیں (۳) زیادہ سے زیادہ قرائن ہوں جو راوی

کی عدالت کے متعلق اطمینان بخش ہوں، جیسے مرجع علما وفقہا ہونا (۴) دوعادل کا راوی کی عدالت کی وضاحت کرنا۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک جرح وتعدیل:

اس کے متعلق مختلف مسائل ہیں، یکے بعد دیگرے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سبب ذکر کیے بغیر مثلا فلاں عادل یا فلاں ضعیف ہے، اگر کسی راوی کی جرح یا تعدیل کی گئی؛ تو اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے متعلق شیعہ امامیہ کے نزدیک مختلف اقوال ہیں:

(الف) جرح وتعدیل سبب ذکر کرنے کے بعد ہی قبول کی جائے گی، مثلا کہے کہ فلاں عدل ہے؛ کیوں کہ میں اس کے ساتھ سفر و حضر میں رہا ہوں اور میں نے اسے کسی قسم کا گناہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اسی طرح جرح کا بھی حال ہے، مثلا یوں کہے کہ فلاں فاسق ہے، کیوں کہ میں نے انہیں فلاں گناہ کبیرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(ب) سبب ذکر کیے بغیر جرح وتعدیل مطلقا قبول کی جائے گی، مثلا کہا کہ فلاں عدل ہے یا فلاں فاسق ہے اور عدالت وفسق کا سبب ذکر نہیں کیا؛ تو بھی یہ جرح وتعدیل مطلقا مقبول ہوگی۔

(ت) تعدیل مطلقا مقبول ہے البتہ جرح کے مقبول ہونے کے لیے سبب کا بیان کرنا ضروری ہے۔

(ث) جرح تو مطلقا مقبول ہوگی، البتہ تعدیل کے قبول ہونے کے لیے سبب کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(ج) اگر جرح وتعدیل کرنے والے جرح وتعدیل کا علم رکھتے ہیں تو اسباب ذکر کیے بغیر بھی ان کی یہ جرح وتعدیل مقبول ہوگی۔

اس مسئلہ کے متعلق مزید دو اقوال ہیں، ان سب میں سب سے زیادہ قریب پانچواں قول ہے ۔(مقباس الھدیۃ/ مامقانی، ج۲ص۹۴)

(۲) اگر ایک راوی کے بارے میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہوجائیں؛ تو کس کو مقدم رکھا جائے گا، اس کے متعلق بھی شیعہ امامیہ کے علما کی پانچ آرا ہیں، ان میں سے زیادہ ظاہر چوتھی رائے ہے، کیوں کہ تعدیل کا اعتبار اطمینان کے باب سے ہے، اسی لیے تعدد کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا گیا، چوتھی رائے ملاحظہ فرمائیں:

اگر دونوں اقوال پر بغیر ایک دوسرے کی تکذیب کیے جمع کر کے عمل کرنا ممکن ہو تو جمع کیا جائے گا اور اگر اس طور سے جمع کرنا ممکن نہ ہو تو تعارض کی بنا پر توقف کیا جائے گا ۔(مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ج۲ص۱۱۲)

(۳) اگر کسی ثقہ نے کہا: حدثنی الثقۃ بکذا اور اس کا نام نہیں ذکر کیا تو کیا اس طرح کی خبر جواز عمل کے لیے کافی ہے یا نہیں، اس میں بھی ان کے علما کے دو اقوال ہیں: (الف) جائز نہیں (ب) جائز ہے (مقباس الھدایۃ/ مامقانی، ج۲ص۱۲۱) ان دونوں اقوال میں سے کسی قول کو مامقانی نے راجح قرار نہیں دیا۔

(۴) جب ایسا عادل جس کے تزکیہ پر اعتماد کیا جاتا ہے، وہ ایسے راوی سے روایت کرے جس کی عدالت معلوم نہیں، مگر اس عادل نے اس کا نام ذکر کیا ہے، البتہ اس عادل کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے تو اس عادل کا محض اس راوی سے روایت کرنا کیا اس تعدیل کی طرح سمجھا جائے گا جب اس کی تعدیل کی صراحت کردی جاتی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو اقوال ہیں: (الف) محض عادل کا کسی راوی سے روایت کرنا تعدیل نہیں (ب) تعدیل کے لیے محض روایت کرنا کافی ہے، مگر حق دوسرا قول ہے۔

(۵) حدیث کا اجماع کے موافق ہونا، اس کی صحت سند پر دلالت نہیں کرتا۔

(۶) جب ثقہ کسی ثقہ سے کوئی حدیث روایت کرے، پھر مروی عنہ نے اس حدیث سے رجوع کر کے اس حدیث کی روایت کی نفی بطور جزم کیا، مثلا کہا: میں نے اسے روایت نہیں کیا؛ تو ایک جماعت نے کہا کہ یہ دو جزم کا تعارض ہے اور یہاں منکر ہی اصل

ہے،لہٰذا وہ حدیث مقبول نہیں ہوگی، لیکن فرع یعنی اس منکر سے روایت کرنے والے شخص پر اس کی وجہ سے کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا اور نہ ہی اس کے سبب اس کی اس اصل یا دوسرے سے دیگر مرویات کو غیر مقبول ٹھہرایا جائے گا، لیکن اگر حتمی انکار نہیں کیا، بلکہ کہا: میں اس حدیث کو نہیں جانتا، یا اس کے مثل کوئی دوسرا جملہ استعمال کیا جس سے اس کے بھولنے کا اثر ظاہر ہوتا ہو تو اصح مذہب کے مطابق فرع کی اس روایت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ اصل کا یہ کلام سہو یا نسیان کا احتمال رکھنے کی وجہ سے فرع کی تکذیب پر دلالت نہیں کرتا، اور چوں کہ فرع ثقہ کو روایت کرنے میں جزم حاصل ہے، اس لیے احتمال کی وجہ سے اس کی یہ روایت بھی رد نہیں کی جاے گی ۔(مقباس الھدایۃ ر مامقانی، ج۲ص۱۳۳)

اسانید کی تصحیح کا ایک اور قاعدہ:

کبھی حدیث کی اسانید میں ایسے راوی ہوتے ہیں جن کے متعلق کتب رجال میں عادل و ثقہ یا ضعیف و مجروح ہونے کی کوئی صراحت نہیں ملتی، قاعدہ کے لحاظ سے انہیں مجاہیل میں داخل کرنا چاہئے، مگر تاملِ صادق اس کے خلاف کا متقاضی ہے، وہ یہ کہ اگر بعض بڑے محدثین اس طرح کے راوی سے زیادہ روایت کرتے ہیں ، یا ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعا کرتے ہیں اور وہ راوی اس جہت کے علاوہ کسی اور جہت سے معروف نہیں ، یا کسی ایسی حدیث کی سند میں اس راوی کی جہت سے جرح وقدح نہیں کیا گیا جس کے طریق میں وہ راوی موجود ہے، تو یہ اس کے حق میں قابل اعتماد مدح شمار کی جائے گی، بلکہ یہ چیز کبھی حد توثیق تک بھی پہونچ جائے گی ۔(مقباس الھدایۃ رج۲ص۱۳۰)

شیعہ امامیہ کے نزدیک الفاظ تعدیل:

شیعہ امامیہ کے علما نے تعدیل کے مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں، ان میں سے بعض الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فلاں عادل، امامی اور ضابط ہے (۲) ثقۃ (۳) صحیح الحدیث (۴) اجمعت العصابۃ علی تصحیح ما یصح عنھم (۵) من أصحابنا (۶) عین و وجہ (۷) من اولیاے امیر المؤمنین علیہ السلام (۸) صاحب امیر المؤمنین علیہ السلام (۹) صاحب الامام الفلانی علیہ السلام: وغیرہ ۔(مقباس الھدایۃ ر مامقانی، ج۲ص۱۴۳)

اسباب مدح اور اس کی علامات:

شیعہ امامیہ کے نزدیک اسباب مدح متعدد ہیں، ان میں سے بعض کا ذکر قارئین کرام کے نظر نواز کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) راوی کا ائمہ علیہم السلام میں سے کسی کا وکیل ہونا (۲) دینی اصولی وفروعی امور کا ائمہ علیہم السلام سے زیادہ روایت کرنا (۳) راوی سے یا اس کی کتاب کو اصحاب کی ایک جماعت کا روایت کرنا (۴) راوی کا اصحاب کی ایک جماعت سے روایت کرنا (۵) صفوان بن یحییٰ اور ابن ابی عمیر کا کسی راوی سے روایت کرنا (۶) راوی کا ثقات سے روایت کرنا (۷) ایک شیخ کا دوسرے شیخ پر اعتماد کرنا (۸) راوی کا ایسی سند میں موجود ہونا جس میں کلام اس کی جہت کے علاوہ سے کیا گیا ہو (۹) راوی کا آل ابی جہم میں سے ہونا: وغیرہ ۔(مقباس الھدایۃ ر مامقانی، ج۲ص۲۵۷)

شیعہ امامیہ کے نزدیک الفاظ جرح:

شیعہ امامیہ کے نزدیک الفاظ جرح بھی مختلف ہیں، بطور مثال ان میں سے بعض مذکورہ ذیل ہیں۔

(۱) فاسق، شارب خمر، کذاب اور اپنی طرف سے حدیث گڑھنے والا وغیرہ (۲) لیس بعادل، لیس بصادق اور لیس بمرضی وغیرہ (۳) غالی اور فاسد العقیدہ وغیرہ (۴) ملعون اور خبیث وغیرہ (۵) متہم، متعصب اور ساقط وغیرہ (۶) ضعیف (۷) ضعیف الحدیث اور مضطرب الحدیث وغیرہ (۸) لیس بذلک الثقۃ وغیرہ (۹) مرتفع القول وغیرہ ۔(وجیزۃ فی علم الرجال،ص۸۰، مقباس الھدایۃ ر مامقانی، ج۲ص۲۹۴)

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے

مظالم کی خوں بار داستان

از: مولانا سید شہباز اصدق (سہسرام: بہار)

اس وقت میرا روئے سخن بدھ مذہب کے اکثریتی ملک برما کے صوبہ اراکان [رخائن] میں مسلمانوں پر ہو رہے مظالم اور خوں بار داستان کی طرف ہے۔ اراکان میں کثیر آبادی ''روہنگیا'' قبیلے کی ہے۔ روہنگیا قوم کی بڑی اکثریت مسلمان ہے، جبکہ کچھ روہنگیا ہندو بھی ہیں۔ برما ہندوستان کا پڑوسی ملک ہے، جس کی بنیاد وہاں کے بادشاہ الانگ پاپا کی فتوحات سے پڑی تھی اور برسوں اس کے جانشین وہاں کے والی و حاکم رہے، پھر ۱۸۲۶ء میں اس ملک کا بعض حصہ برٹش حکومت کے ماتحت آ گیا، جبکہ ۱۸۸۵ء میں سارے ملک پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ہو گیا اور برما ایک لمبے عرصے تک برٹش حکومت کی غلامی میں رہ کر جنوری ۱۹۴۸ء میں برٹش حکومت سے آزادی حاصل کیا۔

[انسائکلو پیڈیا۔ تاریخ عالم جلد سوم]

موجودہ دور میں برما کا رقبہ ۶۷۶,۵۷۸ مربع کلومیٹر [۲۶۱,۲۲۷ مربع میل] ہے۔ ۲۰۱۶ء کی مردم شماری کے مطابق برما کی آبادی اکاون (۵۱) ملین ہے۔ برما کا دارالحکومت ''نیپید اؤ'' اور بڑا شہر ''یانگون'' ہے۔ اس ملک میں سات صوبے ہیں۔ ان ہی سات صوبوں میں ایک ''اراکان'' ہے جس کا موجودہ نام رخائن ہے اور وہاں کے باشندے ''روہنگیا'' سے متعارف ہیں۔ [وکی پیڈیا]

اراکان [روہنگیا / رخائن] برما [میانمار] کا مغربی ساحلی علاقہ ہے جو بنگلہ دیش کے شہر چٹاگام سے متصل ہے۔ اس کا رقبہ ۲۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ یہ مسلم اکثریتی علاقہ ہے۔ اس میں تقریبا تیس (۳۰) لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد تھے جو اس کی تقریبا نوے فیصد آبادی ہے۔

[وکی پیڈیا]

۱۷۸۴ء سے قبل یہ ایک آزاد اور خود مختار مسلم ملک تھا۔ تاریخ کے اسکالروں کے مطابق قبل از اسلام تیسری صدی عیسویں میں یہاں عرب تجار کا قافلہ وارد ہوا، جس نے یہاں سکونت اختیار کی، پھر جب حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں اعلان نبوت فرمایا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دین سارے عرب پر غالب قوت کی صورت میں ظاہر ہوا تو ساتویں صدی عیسوی میں عرب دنیا سے اراکان [رخائن] کو آنے والے مسلم تجار نے یہاں دین اسلام کی تبلیغ فرمائی، جس کے نتیجے میں اراکان میں بسنے والوں نے اسلام قبول کیا اور اس طرح آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال فرمانے کے سو سال کے اندر ہی اندر اراکان کی سرزمین اسلام کی ضیا بار کرنوں سے منور ہو گئی۔

اسی عہد میں عرب کے مسلم مبلغین بھی بغرض تبلیغ یہاں فروکش ہوئے جن کے مزارات مقدسہ آج بھی یہاں مرجع خلائق ہیں اور اراکان میں اسلام و مسلمین کے قدیم الوجود ہونے پر سچے گواہ ہیں۔ ڈاکٹر محمد یونس (پریسڈنٹ آف دی روہنگیا سولیڈریٹی آرگنائزیشن) اپنی تحقیقی کتاب A History of Arakan میں لکھتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں اہل عرب سمندر کو سر کرنے والوں میں سے تھے۔ تیسری صدی عیسوی کے قریب عرب کے تعلقات جنوبی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا اور دور دراز کے مشرقی علاقوں کے ساتھ تھے، تب

سے ہی عرب تاجروں نے جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا[جس میں اراکان، سوماترا، جاوا اور مولوکس تک شامل تھے] میں تجارتی کالونی قائم کرنا شروع کر دیا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام ایک مذہبی، سماجی، اور سیاسی طاقت بن کر ابھرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سو سال کے اندر اندر عرب رومیوں سے بھی بڑی طاقت بن گئے۔ عرب کے تاجروں اور صوفیائے کرام دونوں نے مل کر اراکان کے باشندوں میں تبلیغ کا کام شروع کیا۔ مسلم مبلغین کے اعلیٰ کردار اور دینی جذبہ سے متاثر ہو کر وہاں ایک بڑی آبادی نے دین اسلام قبول کیا۔ بہت سارے عربوں نے وہاں کے مقامی لوگوں سے شادی کر لی اور وہیں بس گئے''۔

اراکان میں مسلم تجار اور صوفیائے کرام کے وجود مسعود نے وہاں کے باشندوں کے خیالات و جذبات، عادت و اطوار، رسم ورواج، تہذیب وثقافت، تجارت و زراعت اور نظام معاشرت و سیاست تمام شعبہ جات پر گہرا اسلامی اثر چھوڑا، یہاں تک کہ وہاں کا راجہ'' نرامی کھلا'' نے انشراح صدر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اپنا اسلامی نام'' سلیمان شاہ'' رکھا اور ۱۴۳۰ء میں بنگال کے بادشاہ سلطان جلال الدین محمد شاہ کی مدد سے اراکان میں مضبوط اسلامی حکومت قائم کی، اس طرح ۱۴۳۰ء میں اراکان [رخائن] دنیا کی سطح پر اسلامی ملک کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ ۱۴۳۰ء سے ۱۷۸۴ء تک مکمل دوسو چون (۳۵۴) برس اراکان میں خود مختار اسلامی حکومت قائم رہی۔ اس طویل مدت میں سلیمان شاہ، علی خاں مینگ خاری، کلیما شاہ باساو پھیو، ماتھو شاہ دولیا، محمد شاہ باساو نیو، نوری شاہ رن آ نگ، شیخ معد اللہ شاہ سالنیکا تھو، لیشا مینگ رضا، لیاز شاہ مینگ شاؑ و علی شاہ تھاٹا سا، زبوک شاہ، سکندر شاہ، سلیم شاہ، حسینی شاہ، سلیم شاہ ثانی، سانڈا تھا دیتا، تھمادا وغیرہ مسلم حکمرانوں نے وہاں کامیاب حکومت کی۔

[A History of Arakan Past and present.chapter II](مترجما)

سال ۱۷۸۴ء میں اراکان کے آزاد اور خود مختار مسلم ملک پر پڑوسی ملک برما نے حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں اراکان کو شکست ہوئی اور اس کے بعد برما اراکان پر قابض و متصرف ہو گیا اور ۱۷۸۴ء سے ۱۸۲۶ء تک اراکان برما کے زیر اثر رہا۔

[انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم جلد سوم ص ۷۲۶]

اسی اثنا میں برٹش حکومت نے برما پر پہلا حملہ کیا اور ۱۸۲۶ء میں برما کا مقبوضہ علاقہ'' اراکان'' برٹش گورنمنٹ کے ماتحت آ گیا، جبکہ ۱۸۸۵ء میں برٹش گورنمنٹ پورے برما پر قابض ہو گئی تھی، پھر ایک لمبے عرصے تک غلامی کی زندگی گزارنے کے بعد جنوری، ۱۹۴۸ء میں برما نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تو'' اراکان'' برما کا ایک صوبہ قرار دیا گیا۔ آزادی کی جدوجہد میں برما کے بودھوں کے شانہ بشانہ وہاں کے مسلمان بھی رہے۔[ویکی پیڈیا]

مذکورہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر آفتاب کی طرح روشن و تابناک ہے کہ اراکان موجودہ'' راخائن'' عہد قدیم سے روہنگیا مسلمانوں کی آماجگاہ ہے، جہاں ۱۷۸۴ء تک ایک خوش حال اور خود مختار اسلامی حکومت قائم رہی ہے، جبکہ برما کا قبضہ وتسلط ڈیڑھ سو سال تک رہا، لہٰذا برما کا انھیں غیر ملکی قرار دینا اور وہاں بسنے والے مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی مذموم سازش رچنا اور اس ظالمانہ عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اراکانی مسلمانوں کے نظام حیات کو معطل کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کرنا اور انھیں آئے دن نت نئے مظالم سے دوچار کرنا انسانیت سوز اور غیر اخلاقی عمل ہے۔

روہنگیا مسلمان اور مظالم کی خون آلود داستان

یوں تو ۱۷۸۴ء سے ہی اراکان کے مسلمان برما کے بودھوں کی دہشت گردی سے پریشان حال رہے ہیں، لیکن ۱۹۴۸ء کے بعد سے مسلمانوں کے لیے حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر ظلم وستم اور سفاکیت و

بربریت کا جوطولانی سلسلہ شروع ہوا ہے،وہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے ۔۱۹۴۸ء سے اب تک روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی چندخوں بارداستان ذیل میں ملاحظہ کریں۔

۱۹۳۸ء میں برما میں بسنے والے بودھوں نے ''برما صرف برمیوں کے لیے'' تحریک کا آغاز کیا۔بودھوں نے اس پلیٹ فارم سے بظاہرانگریزوں کے خلاف محاذ آرائی کی،لیکن اس کے پس پردہ انھوں نے خوب جم کر مسلمانوں کے خون سے بھی ہولیاں کھیلیں۔سینکڑوں مسلمانو ں کوموت کے گھاٹ اتاردیا۔ درجنوں مساجد نذرآتش کی گئیں۔ برٹش حکومت نے ان فسادات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا،جس سے حالات قابو میں آ گئے ۔اسی طرح دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپانی فوج روہنگیا سے گزری تو برمی اور جاپانی فوج کی طرف سے قتل عام شروع ہونے کے بعد تقریباً چالیس ہزار مسلم آبادی کو ملک چھوڑ کر چٹا گام فرار ہونا پڑا۔[برما میں قتل عام کی تاریخ، تحریر: شیر جہاں ساحل]

۱۹۶۲ء میں جنرل نی وین نے مارشل لا نافذ کیا،جس کے بعد برما کے مسلمان ظلم کی چکی میں پس کررہ گئے ۔اس نے مارشل لا آرڈر کے تحت یہاں کے مسلمانوں کو باغی قرار دے کران کے خلاف آپریشن شروع کیا۔ برمی فوج اورسرکاری ملازمتوں سے مسلمان نکالے گئے ۔ ان کے لیے زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق قیدیوں جیسے قوانین بنائے گئے اورظلم کی نئی نئی طرحیں ایجاد کر کے ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا ،جس کے نتیجہ میں ایک رپورٹ کے مطابق پانچ لاکھ لوگوں نے اپنے ملک کو خیر باد کہا اور بنگلہ دیش ،پاکستان، ہندوستان،سعودیہ،تھائی لینڈ اورملائیشیاوغیرہ میں پناہ لی۔

۱۹۸۲ء میں برما حکومت کاظلم اس انتہا کو پہنچا کہ انھوں نے اراکان میں بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کو مارشل لا کے ایک ضابطے کے تحت غیرملکی قراردے کرحق شہریت سے بھی محروم کردیا۔اس طرح برما کے مظلوم مسلمان اپنے آبائی ملک میں ہی غیرملکی قرار پائے اور تاریخ کے صفحات پرایک ایسی مظلوم قوم کی حیثیت سے سامنے آئے کہ جن کا دنیا میں نہ اپنا کوئی ملک ہے، نہ کوئی وطن۔

پھر ۱۹۹۷ء میں وہاں کے بدھ مذہب والوں نے حکومت کی پشت پناہی میں خوب جم کرفساد مچایا،جس میں کینگ ڈن اورمنڈالے کا علاقہ بے حد متاثر ہوا ۔ڈیڑھ ہزار بدھ بھکشوؤں کا ایک جلوس مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیزنعرے بلندکرتا ہوا سڑکوں پرنکل آیا، جس نے سب سے پہلے مسجدوں پر حملہ کر کے آگ لگائی ،پھر مسلمانوں کی دکانوں کولوٹ کرنذرآتش کیا،ساتھ ہی ساتھ گھروں کو بھی آگ لگادی ، لائبریریوں سے قرآن کریم کے نسخے چن چن کر جلائے گئے اورتمام مذہبی کتابوں کونذرآتش کردیا گیا۔

اسی طرح ۲۰۰۱ء میں ٹاونگو نامی شہر میں بودھوں نے مسلمانوں کے خلاف جم کر ماحول بنایا ،ہزاروں پمفلٹ تقسیم کیے اوراس کے ذریعہ سے بدھ مذہب کے پیروکاروں کومسلمانوں کے خلاف ورغلایا گیا،جس کے نتیجے میں ایک دن میں سینکڑوں گھر جلائے گئے ،مردوں کا قتل عام کیا،جبکہ بے شمارعورتوں کی عصمت دری کی گئی۔[برما کے مظلوم مسلمان۔تحریر:سلیم منصور]

یوں ہی ۲۰۱۲ء میں برما کی دو تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں نے اسلام قبول کیا۔اس معاملہ نے برمی لوگوں پر جیسے پہاڑ توڑ دیا ہو۔اس معاملہ کی آڑ میں برمی دہشت گردوں نے خوب جم کر دہشت گردی کی ۔ چنانچہ ۲؍جون کومسلم مسافرین پر مشتمل ایک بس برما دارالحکومت یانگون سے اراکان کے ضلع ناونگ کی طرف جارہی تھی۔ بدھ بھکشوؤں نے اس بس کا راستہ روک کر بری طرح خوں ریزی کی ۔تمام مسلم مسافروں کو بڑی بے رحمی سے خنجروں ،چھریوں اورتلواروں سے قتل کیا۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے تقریباً بیس ہزار(۲۰۰۰۰) مسلمانوں کوقتل کیا،جبکہ پانچ ہزار(۵۰۰۰)مسلم عورتوں کی عصمت دری کی اور درجنوں بستیاں نذرآتش کردیں۔تقریباً ایک لاکھ لوگوں نے گھر بار چھوڑ کر پڑوسی ملکوں میں پناہ لی ۔[اسلام ٹائمز۔ برما میں

مسلمانوں پرانسانیت سوز مظالم ماضی، حال اور مستقبل۔تحریر: ارسلان ایاز]

۱۹۶۲ء سے جاری مسلم کش فساد کے یہ چیدہ چیدہ واقعات ہیں، جن کی ایک جھلک ضبط تحریر کی گئی۔ رہے وہ انسانیت سوز اور مسلم کش غیر اخلاقی مظالم جن کا سامنا آج پچاس سال سے زائد عرصے سے یہاں کے مظلوم مسلمان دن رات کر رہے ہیں، وہ واقعات دلوں کو دہلا دینے والے ہیں۔اس سے متعلق ذیل میں ایک امریکی رپورٹ کا درج ذیل حصہ ملاحظہ کریں۔

''واشنگٹن[ایجنسیاں] امریکہ کی طرف سے دنیا بھر میں مذہبی آزادی کے حوالے سے جاری سالانہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ میانمار کے روہنگیا مسلمان صحت وتعلیم جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں اور انھیں بدترین امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔روہنگیا مسلمانوں کو اگر چہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے اور امتحانات دینے کی اجازت ہے، لیکن انھیں ڈپلوما، ڈگری اور سرٹیفکیٹ جاری نہیں کیے جاتے اور نہ ہی انھیں سرکاری اداروں میں ملازمتیں دی جاتیں ہیں۔ رپورٹ کے مطابق میانمار میں مقیم مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے شہریوں کو اپنے رہائشی علاقوں کی حدود سے باہر جانے کے لیے بھی مقامی انتظامیہ سے اجازت لینی پڑتی ہے۔

میانمار کے مسلم اکثریتی ریاست راکھینے کی انتظامیہ اکثر اوقات یہاں کے باشندوں کو کسی بھی مقصد سے شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی اور بعض اوقات مجبوری کے باعث ان لوگوں کو شہر سے باہر جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے انتظامیہ کے عملہ کو رشوت دینی پڑتی ہے۔ملک کے دیگر حصوں میں مقیم مسلمانوں کو بھی کم وبیش ایسی ہی پابندیوں کا سامنا ہے۔

امریکی محکمہ خارجہ کی طرف سے جاری اس رپورٹ کے مطابق راخائن ریاست کے رہائشی مسلمانوں کو قانونی، معاشی، تعلیمی اور دیگر سماجی شعبوں میں شدید ترین امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔رپورٹ میں یہ افسوسناک انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ ریاست رخائن کے مسلم باشندوں کو بیماری کی صورت میں علاج کے لیے بھی ریاست سے باہر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ریاست میں موجود اسپتالوں میں بدھ مت کے پیروکار ڈاکٹرس تعینات ہیں، جو مسلم مریضوں کو بہت کم علاج کے لیے شہر سے باہر جانے کی اجازت دیتے ہیں۔

میانمار کی حکومت روہنگیا قوم کو ملک کا شہری تسلیم کرنے سے اس بنیاد پر انکار کرتی ہے کہ ان لوگوں کے آباواجداد اس وقت یہاں آباد نہیں تھے، جب میانمار برطانوی نوآبادی تھا، تاہم روہنگیا مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کے آباواجداد برطانوی دور سے بھی پہلے اس علاقے میں آباد تھے۔رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کے اداروں نے بھی ۲۰۰۸ء اور ۲۰۱۰ء میں جاری اپنی رپورٹس میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی نشاندہی کی اور میانمار حکومت سے اس سلوک کے خاتمہ کے لیے قوانین میں ترمیم کی سفارش کی۔

میانمار حکام روہنگیا مسلمانوں کو غیر قانونی تارکین وطن قرار دیتے ہیں، اور ان کو صرف عارضی رہائشی سرٹیفکیٹس جاری کیے جاتے ہیں۔روہنگیا مسلم طلبا کو اگر چہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے اور امتحانات دینے کی اجازت ہے، لیکن انھیں ڈپلوما اور ڈگریاں جاری نہیں کی جاتیں۔وہ کسی سرکاری ملازمت کے لیے درخواست دینے کے اہل نہیں۔ان مسلمانوں کو شادی کے لیے بھی حکومت سے اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس بات کی اجازت بھی حکومت سے حاصل کرنا پڑتی ہے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں''۔[راشٹریہ سہارا ،اشاعت ۵/اگست ۲۰۱۲ء]

روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے اسباب وعلل

کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ برمی حکومت کا سلوک اس قدر غیر اخلاقی اور ظالمانہ کیوں ہے؟ اور اس مسلم کش خوں ریزی کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اس تعلق سے دو

باتیں عام طور سے کہی جاتی ہیں۔

اول یہ کہ ۱۹۴۸ء میں جب برٹش حکومت نے ''برما'' کو آزادی دی تو اس موقع سے اراکان [رخائن] کے مسلمانوں نے یہ اپیل کیا تھا کہ یا تو اراکان کو ۱۸۴۷ء سے قبل کی طرح آزادی اور خودمختاری دے دی جائے یا پھر مشرقی پاکستان [موجودہ بنگلہ دیش] سے ملحق کر دیا جائے، لیکن انگریز قوم نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور اراکان کو برما کے ساتھ ہی ملحق رکھا۔ اسی وقت سے برما حکومت یہاں کے مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیتی ہے اور انھیں بنگلہ دیشی کہہ کر پکارتی ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ امریکہ کی حمایت میں پروان چڑھنے والے طالبانیوں نے مارچ ۲۰۰۱ء میں افغانستان کی سرزمین پر موجود گوتم بدھ کے تمام مجسمے کو مسمار کیا، ان میں صوبہ بامیان کے پہاڑوں کے پہلوؤں کو تراش کر بنائے گئے دنیا کے قدیم اور بلند ترین دو بدھ مجسمے بھی مسمار ہوئے جو دنیا کے سب سے بڑے بدھ مجسمے کی حیثیت رکھتے تھے۔ [گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ص ۳۲۴]

اس واقعہ کے بعد سے ہی برما کے بدھسٹ جذبۂ انتقام میں ہیں، جس کے سبب سے ارکان میں بسنے والے روہنگیا مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو چکا ہے۔

برما میں آئے دن ہونے والے مظالم کی کڑیاں مذکورہ معاملے سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آزادی کے وقت برمی مسلمانوں کا خودمختاری یا مشرقی پاکستان سے الحاق کے مطالبے کو بہانہ بنا کر انھیں غیر ملکی قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ جبکہ ۱۸۴۷ء سے قبل وہاں کے باشندے آزاد اور خودمختار ہی تھے۔ اسی طرح افغانستان میں طالبانیوں کی جانب سے گوتم بدھ کے مجسمے کی مسماری کو دنیا کا کوئی بھی مسلمان صحیح قرار نہیں دیتا، لیکن طالبانیوں کی جانب سے اس ناروا اقدام کے نتیجے میں بے چارے بے قصور روہنگیا مسلمانوں پر عتاب کرنا اور انھیں اس کی سزا دینا کہاں تک درست ہے؟ نیز روہنگیا کے مسلمانوں پر بہت پہلے سے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، مجسمہ کو ڈھانے کا معاملہ مارچ ۲۰۰۱ء میں پیش آیا۔ اور روہنگیا مسلمانوں پر منظّم حملوں کا آغاز ۱۹۶۲ء سے ہو چکا ہے، یعنی انہدام مجسمہ سے پچاس سال قبل۔

حقیقت یہ ہے کہ بدھسٹوں کے مظالم کو مذکورہ معاملات کا ری ایکشن [reaction] بتانا یا سمجھنا غلط ہے۔ ہاں، اسے برسوں سے اندرون خانہ پل رہی اسلام دشمنی کے اظہار کا ایک خوشنما بہانہ کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی سے قبل بھی برما میں مسلمانوں کو اس طرح کے مظالم سے دو چار ہونا پڑا ہے۔ چنانچہ ۱۵۵۹ء میں مذہبی عقائد کی آڑ میں جانور ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی حتیٰ کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر بھی کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی جانور پر چھری چلائے۔ ۱۷۵۲ء میں بھی جانوروں کے ذبح پر پابندی لگا دی گئی ۱۷۸۲ء میں تو بادشاہ ''بودھا پایہ'' نے پورے علاقے کے مسلمان علمائے کرام کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا اور انکار پر ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ [ویکی پیڈیا]

بودھوں کے حالیہ مظالم

برما میں پولیٹیکل اصلاحات ہوئیں، فوجی حکومت کا خاتمہ اور جمہوری عہد کا آغاز ۲۰۱۲ء میں ہوا۔ صدر کی حیثیت سے آنگ سان سوچی منتخب ہوئیں اور انھیں اس موقع پر امن کے نوبل انعام سے بھی سرفراز کیا گیا۔ خیال کیا گیا تھا کہ نوبل انعام یافتہ آنگ سان سوچی کی صدارت اور جمہوریت کے قیام سے برما میں امن کی فضا قائم ہوگی اور مسلمانوں کو سکون نصیب ہوگا، لیکن یہ خیال بھی حرف غلط ثابت ہوا، یہ سیاسی تبدیلی بھی برما کے مظلوم مسلمانوں کے لیے بے رحم ثابت ہوئی۔

پھر وہی موسم سفاک کا منظر چمکا　　پھر وہی شام سیہ کار نظر کے آگے

قیام جمہوریت سے اب تک مسلم کش فسادات میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آئی ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے، بلکہ حالیہ دنوں میں مسلمانوں کو ملک

بدر کرنے اور ملک سے ان کا خاتمہ کرنے کی پلاننگ نے مزید قوت حاصل کر لی ہے۔ ۲۵/ اگست ۲۰۱۷ء سے شروع ہونے والے خوفناک فساد کی جو ویڈیوز وائرل ہوئی ہیں، اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگست کے آخر میں شروع ہونے والے اس حالیہ بدھی دہشت گردی میں صرف دو ہفتے کے اندر چھ ہزار (۶۰۰۰) سے زیادہ مکانات جلائے گئے، تقریبا ایک ہزار (۱۰۰۰) مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ دولاکھ ستر ہزار (۲۷۰۰۰۰) سے زیادہ مسلمانوں کو انتہائی بدحالی اور بے بسی کے عالم میں ہجرت کر کے بنگلہ دیش میں پناہ گزیں ہونا پڑا، جبکہ نوے ہزار (۹۰۰۰۰) روہنگیا متاثرین تھائی لینڈ کی سرحد پر کیمپ لگا کر پرسکون زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوئے۔

فساد کے برپا ہونے کے دوسرے ہفتے ۹/ ستمبر کو اقوام متحدہ کی جانب سے یہ رپورٹ شائع کی گئی تھی۔ ''ینگون [ایجنسی] اقوام متحدہ نے کہا ہے کہ میانمار میں دو ہفتے قبل شروع ہونے والے تشدد کے بعد سے اب تک دولاکھ ستر ہزار روہنگیا مسلمانوں نے بنگلہ دیش میں پناہ لی ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک خاتون ترجمان کا کہنا ہے کہ جمعرات تک بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ چونسٹھ (۱۶۴۰۰۰) تھی۔ اقوام متحدہ کے سینئر اہلکار نے کہا ہے کہ رخائن صوبے میں ہلاک ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کی تعداد ممکنہ طور پر ایک ہزار سے زائد ہوسکتی ہے۔ میانمار سے بھاگنے والے افراد کا کہنا ہے کہ میانمار کی فوج ان کے گھروں کو جلا رہی ہے اور ان پر حملے کر رہی ہے۔ روہنگیا کے رہائشیوں کا کہنا ہے کہ میانمار کی فوج اور بدھ مذہب کے پیروکاروں نے ان پر حملہ کر کے ان کے گاؤں کو نذر آتش کیا اور شہریوں پر حملہ کیا، تاہم میانمار کی حکومت کا کہنا ہے کہ اس کی فوج روہنگیا کے شدت پسندوں کے خلاف لڑ رہی ہے۔ تازہ اعداد و شمار کے مطابق وہاں روہنگیا مسلمانوں کے چھ ہزار چھ سو (۶۶۰۰) مکانات نذر آتش کیے جا چکے ہیں''۔ [انقلاب ۹/ ستمبر ۲۰۱۷]

مذکورہ رپورٹ برمی فساد کے ابتدائیہ دنوں کی ہے، جبکہ اس کے بعد بھی برمی مظالم کا سلسلہ بری طرح جاری رہا تھا۔ روہنگیا سے جان بچا کر آنے والے مظلوم مسلمانوں نے وہاں کے جن خوں بار حالات اور روح فرسا واقعات سے مطلع کیا ہے، اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں ایک خاتون کا تفصیلی انٹرویو چھپا تھا، جس میں متاثرہ خاتون نے آپ بیتی سناتے ہوئے کہا تھا کہ ''اس کے خاوند کو برمی فوجیوں نے منظم حملوں کے دوران میں قتل کر دیا تھا، پھر ان میں سے پانچ فوجیوں نے میرے کپڑے اتارے اور میری جبری عصمت دری کی، میرا آٹھ ماہ کا بچہ اس وقت بھوک سے بلک رہا تھا، اس کو میرے دودھ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اس کو خاموش کرانے کے لیے چاقو سے قتل کر دیا اور اس کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا''۔

اسی طرح ۱۳ سالہ بچے محمد زکریا کا بیان ہے کہ ''فوج میرے باپ کو گاؤں والوں کے تمام مردوں کے ساتھ لے گئی، پھر انہوں نے ہمارے مکان کو آگ لگا دی۔ میری ماں اس وقت گھر کے اندر ہی موجود تھی، وہ زندہ جل کر مر گئی''۔ [عوامی نیوز کولکاتا ۴/ اکتوبر ۲۰۱۷] اسی طرح ایک عینی شاہد عبدالرحمٰن نے ایک سرکاری تنظیم ''فورٹیفائی رائٹس'' کو بتاتے ہوئے کہا کہ ''برما کے اندر بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بانس میں باندھ کر زندہ جلایا جا رہا ہے۔ میرے بھائی کو بھی جلا کر مار ڈالا گیا اور میرے دو بھتیجوں کا سر قلم کر دیا گیا''۔ [انقلاب ۴/ ستمبر ۲۰۱۷]

برما سے آنے والے مظلوم مسلمانوں نے رو رو کر جن روح فرسا واقعات کو بیان کیا ہے، اس کی تصدیق ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے فراہم کردہ خلائی سیارے سے لی گئی تصاویر سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہیومن رائٹس واچ نے برما حکومت کو پھٹکار لگاتے ہوئے صاف لفظوں میں ان خوفناک واقعات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے ''عالمی عدالت انصاف کے مطابق ایسے تمام جرائم انسانیت

کے خلاف جرائم شمار ہوتے ہیں،جن میں بڑے پیمانے پر منظم حملے کے تحت شہری آبادی کو قتل،عصمت دری،تشدد،ظلم وزیادتی کے ذریعہ دربدر کردیا جاتا ہے۔ہم نے سٹیلائٹ کی تصاویر کا جائزہ لیا ہے،جس سے پتہ چلتا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں پر وحشیانہ تشدد کیا گیا ہے''۔

[انقلاب،۲۷رستمبر۲۰۱۷]

اس فساد میں برما کے بدھسٹ فوجیوں نے نہ صرف مسلمان مردوخواتین،کبیر وصغیر کو بے دریغ قتل کیا ہے،بلکہ عفت مآب مسلم خواتین کی انفرادی اور اجتماعی عصمت دری کر کے اپنی خباثت باطنی اور درندگی کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔بنگلہ دیش کے مہاجر کیمپوں میں روہنگیا مسلم خواتین کا علاج کرنے والے اقوام متحدہ کے ڈاکٹروں نے برمی فوجیوں کی اس ملعون حرکت کی تصدیق کی ہے۔ اقوام متحدہ کے ڈاکٹروں کے تصدیقی بیان پر مشتمل اردو اخبار ۲۵رستمبر کا یہ حصہ ملاحظہ کیجیے۔

''۲۵رستمبر:اقوام متحدہ کے ڈاکٹروں نے میانمار میں روہنگیا مسلمان خواتین کے ساتھ زیادتیوں کی تصدیق کردی ہے۔بنگلہ دیش میں مہاجر کیمپوں میں روہنگیا مسلمانوں کا علاج کرنے والے اقوام متحدہ کے ڈاکٹروں اور طبی ماہرین نے بتایا کہ انہوں نے درجنوں روہنگیا خواتین کے جسموں پر خوفناک جنسی تشدد کے نشانات دیکھے ،جنہیں دیکھ کر حیوان بھی شرما جائیں۔اقوام متحدہ کی بین الاقوامی تنظیم برائے مہاجرین [آئی او ایم] کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ انہوں نے سیکڑوں خواتین کا علاج کیا جن کے جسموں پر جنسی حملوں کے خوفناک گھاؤ تھے۔ برمی فوجی مسلمان خواتین کو زیادتی کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ ان پر تشدد بھی کرتی ہے،یہاں تک کہ بعض عورتوں کے نازک اعضا پر بندوق داخل کرنے کی انسانیت سوز کوشش کی گئی ہے۔آئی او ایم کے ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ ایک خاتون کے ساتھ کم ازکم سات برمی فوجیوں نے زیادتی کی ہے اور وہ انتہائی کمزور اور صدمے کی کیفیت میں تھی۔بنگلہ دیش کے کوکس بازار میں آٹھ طبی ماہرین نے رائٹرز سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے اگست کے آخر میں پچیس سے زیادہ روہنگیا خواتین کا علاج کیا،جن کے ساتھ میانمار کے فوجیوں نے زیادتی کی تھی''۔

[اردو اخبار،۲۵رستمبر۲۰۱۷]

اگست میں شروع ہونے والے اس خوفناک فساد نے گذشتہ تمام مظالم کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔۱۸را کتوبر کی رپورٹ کے مطابق اب تک پانچ لاکھ بیاسی ہزار مہاجرین بنگلہ دیش میں پناہ لے چکے ہیں ۔اس کے علاوہ ہزاروں روہنگیا مسلمان انڈیا اور تھائی لینڈ وغیرہ پڑوسی ملک میں بھی پناہ گزیں ہیں۔اس برما دہشت گردی میں پچھلے دنوں کچھ نرمی اور سردمہری آئی تھی،جس کی وجہ سے سیلاب کی طرح آنے والے روہنگیا مسلم مہاجرین کا سلسلہ تھمتا ہوا معلوم ہوا تھا،لیکن اکتوبر کے دوسرے عشرے میں روہنگیا مسلم مہاجرین کا مظلوم قافلہ ایک بار پھر بڑی تیزی سے نقل مکانی کررہا ہے جو تشویش کا باعث ہے۔اس سے متعلق ''انقلاب''میں شائع ہونے والی تازہ رپورٹ ملاحظہ کریں۔

''جنیوا[ایجنسی]اگست کے اواخر سے لے کر اب تک بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا مہاجرین کی تعداد اقوام متحدہ کے مطابق پانچ لاکھ بیاسی ہزار(۵۸۲۰۰۰) سے تجاوز کر گئی ہے۔اس کے ساتھ ہی عالمی ادارہ نے متنبہ کیا ہے کہ ابھی بھی ہزاروں افراد سرحدوں پر پھنسے ہوئے ہیں۔اس لیے اس تعداد کے مسلسل بڑھتے رہنے کا امکان ہے۔واضح رہے کہ میانمار میں فوج اور بدھ شدت پسندوں کے مظالم سے بچ کر روہنگیا مسلمانوں کے بنگلہ دیش بھاگنے کا یہ سلسلہ ۲۵راگست کو شروع ہوا تھا۔گزشتہ چند دنوں میں یہ سلسلہ کچھ تھمتا نظر آیا تھا،مگر اقوام متحدہ کے مطابق گزشتہ ۴۸رگھنٹوں میں ۱۰رسے ۱۵رہزار روہنگیا باشندے بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔یہ اس بات کا مظہر ہے کہ ایک بار پھر نقل مکانی میں تیزی آرہی ہے جبکہ راستے میں کشتی کے غرقاب ہونے کے سبب اموات کی خبریں بھی تسلسل سے آ

رہی ہیں ۔اقوام متحدہ نے بنگلہ دیش پہنچنے والے نئے مہاجرین کی حالت زار پر تشویش کا اظہار کیا ہے ۔اس کے مطابق سنیچر کی رات سے اب تک ۱۰؍سے ۱۵؍ہزار مہاجر انجمن پارہ سرحدی کراسنگ کے ذریعہ بنگلہ دیش پہنچ چکے ہیں ۔ایجنسی کے مطابق ''نکل جاؤ یا مرنے کے لیے تیار رہو'' کی دھمکی کے باوجود اب بھی ہزار ہا روہنگیا میانمار میں تشدد سے متاثرہ علاقوں میں مقیم ہیں جو کسی بھی وقت نقل مکانی کر سکتے ہیں''۔[انقلاب ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۷]

یہ تو تھا تصویر کا ایک رخ ،رہا تصویر کا دوسرا رخ تو وہ یہ ہے کہ ایسے کربناک حالات میں جبکہ روہنگیا کے لاکھوں بے گناہ اور بے قصور مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے گئے اور مظلوم مسلمانوں کے خون ناحق سے زمین برما کو لالہ زار کر دیا گیا ،لیکن ترکی ،بنگلہ دیش ،ایران ،اور چند ایک دیگر کے علاوہ کسی بھی اسلامی مما لک کے کان تک جوں نہ رینگی ۔اس سلسلے میں عالمی برادری ،اقوام متحدہ ،انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں بھی خاموش تماشائی بنی نظر آئیں ۔ہاں ،اس حقیقت سے کسی کو مجال انکار نہیں کہ مذکورہ اداروں کی طرف سے شدید مذمتی بیان جاری ہوا ،لیکن اس وقت جب کہ برما دہشت گرد نہتے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل چکے تھے ،اوران کی زندگی کے گھروندے کو مسمار کر کے لاکھوں برمی مسلمانوں کو ملک بدر کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

افسوس !ان اداروں کی طرف سے اظہار مذمت اور روہنگیا مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کے چند بول بھی میڈیا کے حوالے کیے گئے تو وہ بھی فقط رسمی طور پر ۔ نہ توان اداروں نے ظالم و جابر برما حکومت کے خلاف کسی طرح کا کوئی عملی اقدام کیا اور نہ ہی برما حکومت پر کسی طرح کی کوئی پابندی عائد کی گئی ۔ یہ اس سانحہ کا بہت دل خراش پہلو ہے جس سے مسلمانوں کے جذبات کو چوٹ پہنچتی ہے۔

تاریخ کے دامن میں ظلم وتشدد کی خوں بار داستانوں کی ایک لمبی فہرست ہے ،مگر روہنگیا کے دبے کچلے مظلوم مسلمانوں سے بدتر حالت کسی قوم کی اوراس سے المناک داستان کسی آبادی کی نہیں ہوگی ۔ ایسے سنگین حالات میں دنیا کے حساس انسانوں اورامن عالم کی علمبردار تنظیموں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان ستم رسیدہ انسانوں کی امداد کو آگے آئیں اور انھیں ظالم کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے ٹھوس عملی اقدام کریں۔

مانا کہ ان دنوں برما میں قتل عام کا بازار گرم نہیں ہے ،لیکن مظلوم مسلمانوں کو وہاں برسوں کے امتیازی سلوک کا سامنا تو آج بھی ہے ۔اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اوراقوام متحدہ میانمار کی حکومت پر دباؤ ڈالے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو شہریت دے اورانھیں اپنا شہری تسلیم کرے ،کیونکہ عالمی قوانین کے اعتبار سے ایک لمبے عرصے سے مقیم روہنگیا مسلمان میانمار کی شہریت کے حامل ہیں۔

اسی طرح اسلامی مما لک کو بھی متحد ہوکر سفارتی سطح پر احتجاج کرنا چاہیے اور میانمار کی حکومت کو روہنگیا مسلمانوں پر ظلم وتشدد کو بند کرنے اوران کو شہریت دینے کا مطالبہ کرنا چاہیے ۔مسلم مما لک کی متحدہ تنظیم او آئی سی (OIC)اس بارے میں عملی اقدام کرے ۔اس کے علاوہ ہند و پاک اور بنگلہ دیش اور وہ تمام مما لک کہ جہاں روہنگیا مسلمانوں نے پناہ لی ہے ،ان تمام مما لک کے مسلمان اپنے اپنے ملک میں سر جوڑ کر بیٹھیں اوران متاثر مہاجرین کے رہنے سہنے ،کھانے پینے ، پہننے اوڑھنے اور دوسری ضروتوں کی تکمیل اور راحت رسانی کی ممکنہ کوشش کریں ۔اس سلسلے میں یقیناً ترکی اور بنگلہ دیش کی امدادی کاروائیاں لائق تحسین ہیں ۔ بنگلہ دیش اب تک چھ لاکھ کے قریب روہنگیا مہاجرین کو لے چکا ہے ، جبکہ ترکی حکومت گزشتہ پانچ سال سے تقریباً ستر (۷۰)ملین ڈالر کی امداد دے چکا ہے اور حالیہ فساد میں ترکی کے صدر رجب اردگان کا یہ مردانہ بیان آیا کہ اگر بنگلہ دیش روہنگیا مسلمانوں کو پناہ دیتا ہے تو اس کے تمام اخراجات ترکی برداشت کرے گا۔ (بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

لوح وقلم

اردو رموز اوقاف: تفہیم وتعارف

مولانا حسان المصطفیٰ قادری امجدی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

تمام تعریفیں اس اللہ کی ،جس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا۔ دل ودماغ دیا،غور وفکر کی صلاحیت دی۔افہام وتفہیم کا ملکہ دیا، حسن وقبح کی تمیز بھی دی۔زبان دی، بولنے کی صلاحیت بھی ودیعت کی۔قلم دیا،لکھنے کی قوت بھی دی۔انسان اپنا مافی الضمیر اسی گوشت کے ایک ٹکڑے یا انگلیوں میں رقص کرتی ہوئی نوک قلم سے ادا کرتا ہے۔

انسان کے جذبات مختلف ہوتے ہیں اور اس کی حالت وکیفیت بدلتی رہتی ہے۔انسان کے اندر موجود اس کے تمام احساسات و جذبات، اس کے انداز کلام، اس کی گفتگو کے اتار چڑھاؤ، مختلف لب ولہجہ کے ذریعہ ظاہر اور عیاں ہوتے ہیں۔قلم انسان کی خاموش زبان ہے، اور زبان کے ذریعہ ظاہر ہونے والے قلبی تاثرات وجذبات کی ترجمان بھی۔قلم کو احد اللسانین کہا گیا ہے۔انسان جب اپنی گفتگو کو باوزن اور موثر بنانے کے لیے آداب گفتگو کی مکمل رعایت کرتا ہے،تو کیوں نہ تحریر وکتابت کے جو ضوابط ہیں،ان پر بھی عمل کرے؟اس لیے ضروری ہے کہ اہل قلم ،قلم ورقم کے جو اصول ہیں، ان کا لحاظ کریں اور آداب تحریر کی مکمل رعایت و پاسداری کریں۔

قلم کے شہسوار اپنے جملوں کے صحیح مطالب قارئین کے ذہن میں اتارنے کے لیے،کلام کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے اور اپنے جذبات اپنی تحریروں میں عیاں کرنے کے لیے،مختلف قسم کی علامتوں کا استعمال کرتے ہیں۔جنہیں ''رموز اوقاف'' کہا جاتا ہے۔ اہل زبان جب کلام کرتے ہیں تو کہیں ٹھہرتے ہیں اور کہیں نہیں ٹھہرتے۔کہیں زیادہ، کہیں کم ٹھہرتے ہیں۔یہ انداز بات سمجھنے سمجھانے میں کافی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔یوں ہی رموز اوقاف بھی تحریر کی وضاحت، مرکبات، پیراگراف اور جملوں کے اختتام، استفہام واستعجاب کو ظاہر کرتا ہے۔غلط جگہوں پر ان کا استعمال جملے کا مفہوم تو بدلتا ہی ہے۔جملے کی سلاست وروانی اور اس کی خوب صورتی کو بھی محو کر دیتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ باذوق قارئین کے ادبی ذوق پر گراں ثابت ہوتا ہے۔حاملین قلم کے لیے اس سے کما حقہ واقف ہونا اور اس کے استعمال کا درست محل اور صحیح طریقۂ استعمال سے آگاہ ہونا اشد ضروری ہے۔ایک علامت کے ادھر ادھر ہونے سے جملہ کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ایک مثال دیکھیے: ''روکومت جانے دو'' کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔اگر وقف کی علامت ''روکو'' کے بعد لگائی جاتی ہے ''روکو،مت جانے دو'' تو اس کا معنیٰ الگ ہوگا اور اگر علامت وقف ''مت'' کے بعد لگائی جائے، جیسے: ''روکومت، جانے دو'' تو اس کا معنی الگ ہوگا۔

آج پڑھے لکھے کچھ لوگ شاید رموز اوقاف سے نابلد ہیں، یا جانتے ہوئے بھی کما حقہ اپنی تحریروں میں ان کی رعایت نہیں کرتے۔ ہمارے مدارس کے اکثر طلبہ بھی اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اساتذہ کو چاہیے کہ اپنے طلبہ کو باقاعدہ اس کی تعلیم دیں۔طلبہ کی کاپیاں چیک کی جائیں ،تو صرف غلط صحیح جملوں کی نشاندہی نہ کی جائے ، بلکہ رموز اوقاف کا برمحل استعمال بھی بتایا جائے۔یہ کوئی بہت بڑا اور مشکل موضوع نہیں ہے، بلکہ کسی بھی تحریری مشق کے ساتھ طلبہ کو اس کی تعلیم بآسانی دی جاسکتی ہے۔سب سے بہتر ہوگا کہ نقل واملا کے

ساتھ اس کی مشق کرائی جائے،اور جو طالب علم اس کی رعایت نہ کرے،اس کا نمبر بھی وضع کیا جائے۔

افادہ کے طور پر''رموز اوقاف'' کا مختصر تعارف رشید حسن خان کی کتاب'' اردواملا '' (مطبوعہ :انجمن ترقی ادب،کلب روڈ ،لاہور،صفحہ ۵۴۵تاصفحہ۵۵۸) کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔جسے مصنف نے بابائے اردو مولوی عبد الحق کی کتاب''اردو قواعد'' سے اخذ کیا ہے۔

رموز اوقاف،علامات اور ان کا اردو اور انگلش نام حسب ذیل ہے۔

(۱)سکتہ COMMA [،]

(۲)وقفہ Semicolon [؛]

(۳)رابطہ Colon [:]

(۴)ختمہ Full stop [۔]

(۵)استفہامیہ Sing of Interrogation [؟]

(۶)فجائیہ،ندائیہ Sing of Exclamation [!]

(۷)قوسین Brackets [()]

(۸)واوین Inverted Commas ['' '']

اب ذیل میں ہم ان کی تفصیل اور مواقع استعمال ذکر کرتے ہیں:

(۱) سکتہ [،] یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہے۔عام طور پر لوگ اسے comma کہتے ہیں۔''کاما'' انگلش زبان کا لفظ ہے،اب اردو میں یہی نام رائج ہے۔اس کا محل استعمال یہ ہے:

ا۔ایسے اسما یا ضمیروں کے درمیان جو ایک دوسرے کے بدل بنتے ہوں۔جیسے:نواسۂ رسول،فاطمہ کا لخت جگر،جنتی جوانوں کا سردار ،حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔۔

۲۔مختلف اسموں کو جوڑنے کے لیے حرف عطف کے طور پر استعمال ہوتا ہے ،خواہ وہ اسما، معطوف اور معطوف علیہ ہوں۔ جیسے: حافظ ملت ،محدث اعظم پاکستان ،،شیخ العلما اور شارح بخاری حضور صدر الشریعہ کے فیض یافتہ ہیں۔

یا اسم مصدر ہوں۔جیسے: پڑھنا،لکھنا اور اپنے استاذ کا ادب کرنا،کامیابی کی دلیل ہے۔

یا ایک موصوف کی متعدد صفتیں ہوں ،تو ہر ہر صفت کے درمیان ''سکتہ'' لایا جائے گا۔جیسے:اعلیٰ حضرت ایک عظیم محدث،مفتی،مفسر،فقیہ،مصنف اور مجدد تھے۔

۳۔شرط و جزا کے درمیان بھی اس کا استعمال ہوتا ہے ۔جیسے: جب حضور تشریف لائے،تو جہالت کی تیرگی دور ہوگئی۔

۴۔یوں ہی صلہ اور موصول کے درمیان ۔جیسے: بہترین خطیب وہ ہے، جو مدلل گفتگو کرے۔

۵۔مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان۔جیسے: زید بہت بڑا عالم ہے،لیکن بے عمل ہے۔سبھی لوگ مسجد میں آئے، پر زید نہ آیا۔

۶۔کئی منادیٰ ہوں ،تو ان کے درمیان بھی سکتہ لایا جاتا ہے۔مثلا: عالی وقار صدر بزم، بزرگو، دوستو اور ساتھیو!

۷۔جب ایک طرح یا ایک درجے کے الفاظ جوڑوں میں لکھے جائیں،تو ہر ایک جوڑے کے درمیان سکتہ لایا جائے گا۔جیسے: دن ہو کہ رات، سردی ہو کہ گرمی ،سفر ہو کہ حضر،خلوت ہو کہ جلوت،عنفوان شباب ہو یا عمر کے آخری ایام ہوں،امام اہل سنت نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۂ حق کے لیے بسر کر دی تھی۔

۸۔ جملہ کے ان اجزا کے درمیان بھی سکتہ لاتے ہیں، جو جملہ کی تشریح کے لیے لائے گئے ہوں، جیسے: یہ کتاب ۴ جلد، ۲۰ حصے،فقہ کے تمام ابواب پر مشتمل ،آیات واحادیث کی صراحت کے ساتھ، اردو زبان میں لکھی گئی ہے ۔یا یہ مکان ۲۰ فٹ لمبا،۱۵فٹ چوڑا،۸ فٹ اونچا ہے۔

۹۔اسی طرح جب کسی فعل کے بعد''کر'' یا ''کے'' پوشیدہ ہو،تو ایسی جگہ پر سکتہ لانا ضروری ہوتا ہے: وہ کتاب ہاتھ میں لے، پڑھنے

لگا۔آپ نے یہ رسالہ دیکھ، کیا تاثر پیش کیا؟

۱۰۔کوئی عبارت یا شعر اس طرح لکھ دیا جائے ،کہ اس کو سمجھنے میں مشکل درپیش ہو،تو ایسی عبارت اور شعر کی تعقید کو دور کرنے کے لیے سکتہ کا استعمال ہوتا ہے، جیسے:اس زمانے میں دینی معاملات میں لوگوں نے اپنی اپنی پسند کی کتنی راہیں منتخب کرلیں ہیں، کتنے،اگلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے، قصے کہانیوں کو شریعت سمجھتے ہیں، کتنے،آباواجداد کے عمل کو فرض سمجھتے ہیں، کتنے، جاہل پیروں کی باتوں پر عمل کرتے ہیں، کتنے ،صرف قرآن مقدس ہی کو قابل حجت سمجھتے ہیں اور کتنے ،محض اپنی عقل سے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اسی طرح شعر کی مثال میں ابراہیم ذوقؔ کا یہ شعر پیش کیا جاسکتا ہے:

لائی حیات،آئے،قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی، نہ آئے، نہ اپنی خوشی، چلے

اور ؎

نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے

۱۱۔ایسے چھوٹے چھوٹے جملوں کے درمیان، جو ایک بڑے جملے کا جز بنیں، جیسے:استاذ محترم مدرسہ آئے، درسگاہ میں بیٹھے، کتاب اٹھایا،سبق پڑھایا اور چلے گئے۔

۱۲۔جب ایک جملہ دوسرے جملہ کی توجیہ بیان کرے،تو دونوں کے درمیان ’’سکتہ‘‘ آتا ہے ۔جیسے:استاذ مدرسہ نہیں آئے ،اس لیے کہ وہ بیمار تھے۔اس نے سخت محنت کی،تو پھر کامیاب کیوں نہ ہو؟

۱۳۔جب مبتدا اور خبر کے درمیان امتیاز نہ ہو،اور صفت موصوف کا اشتباہ ہونے لگے ،تو سکتہ لانا ضروری ہے۔ مثلاً: اردو زبان میں فقہ کی سب سے مشہور ومتداول کتاب، بہار شریعت ہے۔فن نعت گوئی میں سب سے نمایاں نام، امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ہے۔

۱۴۔’’اور‘‘ ، ’’یا‘‘ وغیرہ سے پہلے بھی کبھی کبھی سکتہ لاتے ہیں، یہ اسی وقت ہوگا، جب کہ لفظوں پر زور دینا مقصود ہو۔

(۲) وقفہ [؛]

یہ بھی سکتہ ہی کی ایک قسم ہے ۔لیکن اس کا ٹھہراؤ سکتے سے زیادہ ہوتا ہے۔محل استعمال یہ ہے:

(الف)اس کا استعمال ایسے بڑے بڑے جملوں کے درمیان ہوتا ہے ،جہاں سکتہ سے زیادہ ٹھہراؤ کی حاجت ہو۔جیسے:تحریری ذوق رکھنے والے طلبہ کے لیے،مضمون نگاری کے فوائد ؛مضمون نگاری کی صلاحیت پیدا کرنے کے طریقے؛ مضمون نگاری کے لیے مطلوبہ مواد کے حصول کی صورتیں؛مضمون نگاری کے آداب؛اس طرح بیان کیے گئے ہیں ،کہ اس موضوع پر اب کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہیں۔

(ب)ایسے جملوں کے مختلف اجزا کے درمیان بھی اسے لایا جاتا ہے، جہاں زیادہ تاکید ظاہر کرنا مقصود ہو،مثلاً: جیسا کروگے، ویسا پاؤگے؛ جیسا بوؤگے، ویسا کاٹوگے۔

(ج)یوں ہی جن جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان ورنہ،اس لیے، اگرچہ، حالاں کہ، بلکہ،لیکن، اس طرح کے ربط پیدا کرنے والے الفاظ لائے جائیں،تو وہاں بات سمجھانے کے لیے، ان الفاظ سے پہلے وقفہ کی علامت لگائی جاتی ہے ۔جیسے: ادب واحترام،وقت کی پابندی اور مستقل مزاجی طالب علموں کی کامیابی اور ترقی کے لیے ضروری ہیں؛اس لیے ان تمام چیزوں کی رعایت کرنا ان پر لازم ہے۔

البتہ جہاں چھوٹے چھوٹے جملوں کے درمیان مذکورہ الفاظ آئیں،تو وہاں یہ علامت نہیں لگائی جائے گی، بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا۔

(۳) رابطہ [:]

اس کا ٹھہراؤ، وقفے سے زیادہ ہوتا ہے۔اس کا استعمال وہاں

ہوتا ہے، جہاں سابقہ بات کی تشریح یا تفصیل یا تصدیق مطلوب ہو۔اسی طرح مقولے،کہاوت، نقل اقتباس خواہ نثر ہو یا نظم اور مثالوں سے قبل اس کا استعمال ہوتا ہے۔جیسے:بہ قول شاعر: .....کسی فلسفی نے کہاہے: .....بہار شریعت میں ہے: .....سچ ہے:.....وغیرہ

(۴)ختمہ [۔]اسے وقف تام بھی کہتے ہیں ۔بات یا جملہ مکمل ہونے کے بعد جہاں مکمل ٹھہراؤ ہوتا ہے، وہاں اسے لایا جاتا ہے ۔انگریزی کے مخففات کے بعد بھی اس کے استعمال کا چلن عام ہے۔عربی اور انگریزی تحریر میں علامت ختمہ یوں (.) ہوتی ہے۔انگریزی زبان میں ختمہ کو فل اسٹاپ کہا جاتا ہے،لیکن اب کچھ لوگ اسے ڈیش کہنے لگے ہیں۔ یہ غلط ہے ۔علامت ''خط'' کو انگلش میں ڈیش کہا جاتا ہے اور ختمہ کو فل اسٹاپ کہتے ہیں ۔وقف تام (ختمہ) کو ڈیش کہنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے، کہ ختمہ کی علامت اور خط کی علامت میں،کوئی امتیازی فرق نہیں ہوتا ،سوائے اس کے کہ ختمہ کی علامت، خط کی علامت سے تھوڑی مختصر ہوتی ہے۔ہوسکتا ہے اسی لیے لوگوں نے خط کی جگہ ختمہ ہی کو ڈیش کہنا شروع کر دیا ہو۔

(۵)واوین['' '']

(الف) کسی کتاب کے اقتباس یا کسی کا قول بعینہ نقل کرنا ہو، تو اس اقتباس یا قول کے اول وآخر،اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔

(ب) کبھی واوین کا استعمال اس طرح بھی کیا جاتا ہے، کہ لکھنے والا کوئی مشہور مصرعہ یا کسی نثری عبارت کا معروف حصہ،اپنی عبارت کے ساتھ اس طرح لکھے ،کہ وہ اسی کی عبارت کا جز معلوم ہو،تو ایسی صورت میں ایسے ٹکڑوں کو واوین کے درمیان لکھا جاتا ہے،تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ یہ اس کی عبارت نہیں ہے۔

(ج) اسی طرح کبھی کسی خاص مفہوم یا کسی خاص معنویت کی طرف قارئین کے ذہن کو متوجہ کرنا مقصود ہو تو بھی عبارت کو واوین میں محصور کر دیتے ہیں۔

(۶) فجائیہ،ندائیہ [!]

(الف) جن الفاظ یا جملوں سے کسی قسم کے جذبات کو ظاہر کرنا ہو، جیسے:خوف وغضب، حیرت واستعجاب،حقارت وغیرہ،تو ان الفاظ یا جملوں کے بعد یہ علامت لگائی جاتی ہے۔جیسے : اللہ کی پناہ !،ماشاء اللہ!،افوہ! وغیرہ۔ جذبے کی شدت کی کمی اور زیادتی کے اعتبار سے،ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگائی جاسکتیں ہیں۔جیسے:بس جناب!بس!!۔(ب) منادیٰ کے ساتھ بھی اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔جیسے:یا اللہ!محترم حاضرین!وغیرہ۔واضح ہو کہ منادیٰ کے ساتھ جب اس کا استعمال ہوتا ہے،تو اسے ندائیہ کہتے ہیں،اور جب اس علامت سے کسی قسم کے جذبات کو بیان کیا جائے ،تو اس وقت اسے فجائیہ کہتے ہیں۔

(۷) سوالیہ [؟]

یہ علامت ہمیشہ سوالیہ جملے کے آخر میں لائی جاتی ہے۔مثلا: کیا؟، کب؟، کیسا؟،کہاں؟،وغیرہ ۔اس علامت کا ایک محل یہ بھی بیان کیا جاتا ہے: کہ جب کوئی عبارت یا شعر یا لفظ کی صحت مشکوک ہو،تو انہیں نقل کرنے کے بعد قوسین کے درمیان اس علامت کو لکھ دیا جائے ،تاکہ قاری پر واضح ہو جائے کہ یہ مقام محل نظر ہے۔ایسی جگہوں پر ضروری ہے کہ یہ علامت قوسین کے اندر لکھی جائے، ورنہ مقصود حاصل نہ ہوگا۔

(۸) قوسین ([])

یہ علامت مختلف طرح کی خطوں سے بنائی جاتی ہے۔عمومی طور پر جو تین خط مشاہدہ میں آتی ہے،وہ یہ ہے: {}،[]،()۔یہ علامت،جملۂ معترضہ کے اول وآخر میں لگائی جاتی ہے۔اور کبھی جملے کی وضاحت کے لیے بھی اس علامت کا استعمال ہوتا ہے۔جیسے:حضور تاج الشریعہ(جو اعلیٰ حضرت کے علمی وارث ہیں) مہمان کعبہ بنائے گئے۔ہمارے استاذ (فلاں بن فلاں) کل تشریف لائے تھے۔جب قوسین کا استعمال کیا جائے ،تو اس بات کا خاص خیال رکھا جائے، کہ قوسین کی وجہ سے عبارت بے ربط نہ ہو جائے۔کچھ لوگ اس کا لحاظ نہیں کرتے ،جس کے نتیجہ میں ان کی عبارت بالکل بے ربط ہو جاتی ہے۔اس کی مثال دیکھیے : حافظ ملت (جو مبارکپور میں

رہتے تھے) کو میں نے نہیں دیکھا۔حضور محدث کبیر (جو فقہ وحدیث میں ماہر ہیں) سے میں نے رجوع کیا۔مذکورہ جملوں کی خرابی آپ نے محسوس کی ہوگی۔یہاں پر قوسین کا استعمال اس طرح ہونا چاہیے کہ جملے کا ربط باقی رہے۔ایسے جملوں کو اس طرح لکھا جائے:حضور حافظ ملت کو (جو مبارکپور میں رہتے تھے) میں نے نہیں دیکھا۔حضور محدث کبیر سے (جو فقہ وحدیث میں ماہر ہیں) میں نے رجوع کیا۔

رشید حسن خاں نے لکھا کہ اردو داں طبقہ عام طور سے انھیں آٹھ علامتوں کو اپنی تحریروں میں استعمال کرتا ہے۔ہم نے بھی انھیں آٹھ علامتوں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب ''قواعد اردو'' میں گیارہ علامتوں کو بیان کیا ہے۔ان میں سے دو علامتیں ایسی ہیں جو رواج عام میں جگہ نہ پاسکیں۔ان میں سے ایک علامت کا نام ''خط'' ہے۔اب ''خط'' کی جگہ پر ''سکتہ'' کا استعمال ہوتا ہے۔اور دوسری علامت ''تفصیلیہ'' ہے۔اس کا استعمال بھی مروج نہیں ہے۔اس کی جگہ پر ''رابطہ'' سے کام چلایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے ان دونوں علامتوں ''خط'' اور ''تفصیلیہ'' سے ہم نے صرف نظر کیا ہے۔تیسری علامت ہے ''زنجیرہ'' اس کا استعمال تو بالکل ہی متروک ہے۔اسی لیے اکثر لوگوں نے اس کا ذکر بھی ترک کردیا ہے۔

ایک علامت ہے ''وقفہ''، پہلے اس علامت کا استعمال اردو ادب کی کتابوں میں جا بجا ملتا تھا،لیکن اب اس کا استعمال بھی کم کردیا گیا ہے۔علما کی تحریروں اور دینی رسالوں میں اس کا استعمال،تو نہ کے برابر ہے۔''وقفہ'' کی جگہ پر عام طور سے اب ''سکتہ'' کا ہی استعمال ہوتا ہے۔اس میں ہمیں کوئی خرابی بھی معلوم نہیں ہوتی۔جب ''خط'' کی بجائے ''سکتہ'' رواج پاسکتا ہے۔اور ''تفصیلیہ'' کی جگہ پر ''رابطہ'' سے کام چلایا جاسکتا ہے،تو ''وقفہ'' کی جگہ پر ''سکتہ'' کے استعمال میں کیا مضائقہ ہے؟

☆☆☆

(باقی صفحہ ۳۲)..

اخیر میں یہ سنسنی خیز اور افسوسناک خبر بھی پیش نظر رکھیں جو سوشل میڈیا پر خوب وائرل ہو رہی ہے کہ دہلی میں مقیم روہنگیائی مسلمانوں کے ایک سو پچاس (۱۵۰) افراد معاشی بدحالی کے سبب اپنا مذہب ترک کر کے عیسائی بن گئے ہیں۔دہلی اقلیتی کمیشن کے چیرمین ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے ستر (۷۰) لوگوں کی تبدیلی مذہب کی تصدیق کردی ہے۔

یہ دو ماہ قبل کی خبر ہے۔سوال یہ ہے کہ اس سنسنی خیز خبر کے بعد روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کے حال زار پر ماتم کرنے والے خیرخواہوں نے اس سلسلے میں کیا ایکشن لیا؟سوشل میڈیا پر اظہار افسوس کے علاوہ بھی کوئی عملی اقدام کیا؟ان کی خبر گیری کی؟مدارس وخانقاہ اراسلامی تنظیموں کے ذمہ داروں نے ان مظلوم مہاجرین کے لیے کوئی امدادی مہم چلائی؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہزاروں میل دور بیٹھے مظلوم مسلمانوں کے حال زار پر تو ہم ماتم کریں اور تن من دھن سے ان کی نصرت وحمایت کے خواہاں ہوں،اور یہاں اپنی ہی ناک کے نیچے پناہ گزیں مسلمان بے بسی کے عالم میں اسلام کو ہی خیر آباد کہہ دیں اور ہمیں خبر تک نہ ہو۔اس لیے ضروری ہے کہ ملک کے تمام مسلمان اور تمام اسلامی ادارے مکمل طور سے بیدار رہیں اور شیرازہ بند طریقے سے اپنے ملک میں پناہ گزیں مظلوم مہاجرین کی ممکنہ حد تک امداد کریں۔اس کے علاوہ دیگر ملی وفلاحی خدمات کے لیے بھی ذہن کو کشادہ کریں۔

تاخیر کا موقع نہ تذبذب کا محل ہے
یہ وقت عمل وقت عمل وقت عمل ہے

☆☆☆

تعلیمی مسائل **قسط دہم**

پلی درس (Palli Dars)

مولانا طارق انور مصباحی کرالا

{tariqueanwer313@gmail.com}

دینی تعلیم: فرض عین یا فرض کفایہ؟

علم دین کا دو حصہ ہے۔ایک حصہ ایسا ہے جس کو حاصل کرنا تمام مسلمان مرد وعورت کے لیے فرض ہے،اور علم دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔اگر چند لوگوں نے اس کو حاصل کرلیا تو دیگر افراد بری الذمہ ہوجاتے ہیں۔ملک ہند کے اقامتی اسلامی مدارس میں حفظ قرآن مجید اور عالم وفاضل کی تعلیم دی جاتی ہے۔یہ تعلیم فرض کفایہ ہے۔اس کا بیان منقوشہ ذیل آیت کریمہ میں ہے۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ (سورہ توبہ: آیت ۱۲۲)

ترجمہ:اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔(کنزالایمان)

دین کے ضروری مسائل کا علم حاصل کرنا تمام مومن مرد وعورت پر فرض ہے۔اگر حاصل نہ کیا تو بندہ گنہ گار ہوگا،نیز بہت سے فرائض و واجبات اور دیگر عبادات وحکام کی ادائیگی میں بھی مشکل درپیش ہوگا۔س کا بیان مرقومہ ذیل حدیث مصطفوی میں ہے۔

﴿عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾

(سنن ابن ماجہ: باب فضل العلما والحث علیٰ طلب العلم-شعب الایمان للبیہقی ج۲ص۲۵۳)

ترجمہ:حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فرض کفایہ کی تعلیم کے لیے عظیم الشان مدارس تعمیر ہوچکے ہیں،لیکن فرض عین کی جانب کما حقہ توجہ نہ دی جاسکی،حالانکہ فرض کفایہ سے زیادہ فرض عین کی جانب توجہ دی جانی چاہئے؟مسجدوں سے ملحق مدارس کا قیام اسی مقصد سے ہوا تھا۔شمالی ہند میں اس درس گاہ کا نام ''مکتب'' ہے،اور کیرلا میں اس کو ''پلی درس''اور کرناٹک وگوا کے علاقوں میں انجمن کہا جاتا ہے۔مکتب کی تعلیم سے متعلق ضروری مباحث تعلیمی مسائل: قسط ہشتم وقسط نہم (شمارہ اپریل ۲۰۱۷ء وشمارہ اگست ۲۰۱۷ء) میں مرقوم ہیں۔اس مضمون میں شرعی اعتبار سے علم دین: فرض عین وفرض کفایہ کی قدرے تفصیل تحریر کی جاتی ہے،اس امید کے ساتھ ارباب اقتدار علما ومشائخ اس بارے میں کچھ غور وفکر کریں:لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

علم دین کا وہ حصہ جس کو حاصل کرنا فرض عین ہے

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا۔''حدیث ''طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم'' کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے۔اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلب علم کی فرضیت،تو یہ صادق نہ آئے گا،مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو،اور فرض عین نہیں ہےمگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو۔ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے،جن کے

اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے، اور انکار و مخالفت سے کافر یا بدعتی: والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے، اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائل نماز یعنی اس کے فرائض و شرائط و مفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے، پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع و شرا، مزارع پر مسائل زراعت، موجر و مستاجر پر مسائل اجارہ، وعلیٰ ہذا القیاس۔

ہر شخص پر اس کی حاجت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے، اور انہیں میں سے ہے مسائل حلال و حرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے، اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع و اخلاص و توکل وغیرہا اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر و ریا و عجب و حسد وغیرہا اور ان کے معالجات کہ ان کا تعلم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے۔ جس طرح بے نماز، فاسق و فاجر مرتکب کبائر ہے، یوں ہی بعینہ ریا سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ نسئل اللہ العفو والعافیۃ: تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم حصہ اول ص ۱۶: رضا اکیڈمی ممبئ)

مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق درج ذیل دینی علوم سیکھنا سب پر فرض عین ہے

(۱) عقائد اسلام و عقائد اہل سنت و جماعت کا ضروری علم (۲) نماز کے مسائل (۳) رمضان میں روزہ کے مسائل (۴) اگر صاحب نصاب نامی ہو تو زکوٰۃ کے مسائل (۵) صاحب استطاعت ہو یعنی اس پر حج فرض ہو چکا ہو تو حج کے مسائل (۶) ہر پیشہ والے کو اپنے پیشہ سے متعلق احکام کا علم (۷) جو امور انجام دینا چاہتا ہو، اس کے متعلق احکام کا علم (۸) مسائل حلال و حرام (۹) مسائل علم قلب۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۷۸ء-۱۹۴۸ء) نے تحریر فرمایا۔

مسئلہ: ایک آیت کا حفظ کرنا ہر مسلمان مکلّف پر فرض عین ہے، اور پورے قرآن مجید کا حفظ کرنا فرض کفایہ، اور سورۂ فاتحہ اور ایک دوسری چھوٹی سورت یا اس کے مثل مثلاً تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کا حفظ واجب عین ہے۔ (درمختار)

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۴۶: مکتبۃ المدینہ کراچی)

مسئلہ: بقدر ضرورت مسائل فقہ کا جاننا فرض عین ہے، اور حاجت سے زائد سیکھنا حفظ جمیع قرآن سے افضل ہے۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۴۶: مکتبۃ المدینہ کراچی)

علم دین کا وہ حصہ جس کو حاصل کرنا فرض کفایہ ہے

(۱) ''حفظ قرآن فرض کفایہ ہے اور سنت صحابہ و تابعین و علمائے دین متین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اور من جملہ افاضل مستحبات، عمدہ قربات، منافع و فضائل اس کے حصر و شمار سے باہر''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نہم حصہ اول ص ۱۰۴ - رضا اکیڈمی ممبئ)

(۲) ''علم دین سیکھنا اس قدر کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو، غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو، تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے، اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے۔ جب تک یہ حاصل کرے، جغرافیہ، تاریخ وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔ ''طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ''۔ جو فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو، حدیثوں میں اس کی سخت برائی آئی، اور اس کا وہ نیک کام مردود قرار پایا۔ کما بیناہ فی الزکوٰۃ من فتاوینا۔ نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں

وقت گنوانا۔غرض یہ علوم ضرور یہ تو ضرور مقدم ہیں،اوران سے غافل ہوکر ریاضی، ہندسہ،طبعیات،فلسفہ یا دیگر خرافات ووسوسہ پڑھنے پڑھانے میں مشغولی بلاشبہہ متعلم و مدرس دونوں کے لیےحرام ہے۔

اوران ضروریات سے فراغ کے بعد پوراعلم دین،فقہ،حدیث،تفسیر،عربی زبان،اس کی صرف،نحو،معانی،بیان،لغت،ادب وغیرہا آلات علوم دینیہ بطورآلات سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ یہی علوم،علم دین ہیں،اورانھیں کے پڑھنے پڑھانے میں ثواب اوران کے سوا کوئی فن یا زبان کچھ کارثواب نہیں۔ہاں،جوشخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغ پاکر اقلیدس،حساب،مساحت،جغرافیہ وغیرہا،وہ فنون پڑھے،جن میں کوئی امرمخالف شرع نہیں تو ایک مباح کام ہوگا،جبکہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے''۔(فتاویٰ رضویہ جلدنہم حصہ اول ص ۱۰۸-رضا اکیڈمی ممبئ)

ہمارے مطالبات کیا ہیں؟

علم دین جوفرض عین ہے،اس کے لیے مستقل کتابیں اردو زبان میں تصنیف کردی گئی ہیں۔ان کتابوں میں سب سے اہم بہار شریعت ہے۔یہ کتاب بیس حصوں پر مشتمل ہے۔اس سے قبل قانون شریعت پڑھائی جائے۔ان دونوں کتابوں میں ان تمام عقائد ومسائل کا بیان ہے، جن کاعلم حاصل کرنا ایک مسلمان پرفرض قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح ناظرۂ قرآن مجید پڑھتے وقت تجوید کےضروری قواعد بھی پڑھائے جائیں ،تاکہ نماز کی ادائیگی صحیح طریقہ پر ہوسکے۔جوعلم دین فرض قرار دیا گیا ہے،وہ بہت زیادہ نہیں ہے۔طلبہ اسکول کے وقت اسکول بھی جائیں اور اسکول جانے سے قبل صبح کو یا اسکول سے چھٹی کے بعد شام کو دین کی تعلیم کے لیے وقت خاص کرلیں۔ہندوستان بھر میں قریباً یہی رواج ہے،اور یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔اسکول کی تعلیم بھی جاری رہے،ساتھ ہی دینی تعلیم بھی ہوتی رہے۔

تعلیمی مسائل: قسط نہم (شمارہ اگست ۲۰۱۷ء) میں ہم نے مذکورہ بالاطریق کارکوتفصیل کےساتھ بیان کردیا ہے۔ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ضروری دینی تعلیم یعنی مکتب کی تعلیم کی جانب توجہ بہت کم ہے،نیز کون سے مضامین کی تعلیم ہونی لازم ہے،ان امور کی نشاندہی نہیں کی جاتی ہے: مثلاً ہندوستان بھر کے مکتب میں ناظرۂ قرآن کی تعلیم دیدی جاتی ہے۔ضروری مقدار میں قرآن شریف کی سورتیں اور آیتیں بھی حفظ کرادی جاتی ہیں،لیکن تجوید کا خیال بہت کم کیا جاتا ہے۔

تجوید کے لازمی قواعد کی تعلیم نہ ہونے کے سبب بچوں کوحروف کے مخارج اورحروف کی صفات کاعلم نہیں ہو پاتا۔اسی طرح بچے قانون شریعت اور دیگر دینی کتابیں اس وقت پڑھتے ہیں،جبکہ وہ کم عمر ہوتے ہیں۔کم عمری کے سبب مسائل کوصحیح سے سمجھ بھی نہیں پاتے،اور جب انہیں ان مسائل کی ضرورت درپیش ہوتی ہے،تب وہ ان کتابوں کو کھول کر بھی نہیں دیکھتے۔ائمہ کرام یا مقررین وخطباعوام مسلمین کو جمعہ یا جلسہ میں تمام مسائل بیان نہیں کرسکتے۔اگر بیان بھی کریں تو کوئی زبانی یادنہیں رکھ سکتا، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ سامعین کوابھی کون سے مسائل کی ضرورت ہے۔ملک بھر میں امت مسلمہ کو بہارشریعت اور قانون شریعت کی جانب متوجہ کرنے کی ضرورت ہے،تاکہ ضرورت منداپنی ضرورت کے مسائل ازخودان کتابوں سے معلوم کرسکے۔اس طرح کی ماحول سازی سے عامۃ المسلمین کا ذہن علم دین کی جانب مائل ہوجائے گا۔

موجودہ ماحول یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پرعوام مسلمین ائمہ کرام وعلمائے دین کے اردگردطواف کرتے ہیں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں ضرورت کے مسائل معلوم نہیں اور نہ ہی اتنی قوت ہے کہ ضروریات زندگی کے مسائل قانون شریعت یا بہارشریعت میں دیکھ سکیں۔ہاں،یہ ضرور ہونا چاہئے کہ مشکل مسائل کے لیے علمائے کرام کی جانب رجوع کریں۔ہرمسئلہ کے لیے علمائے کرام کی جانب رجوع کو اگر شریعت اسلامیہ پسند فرماتی تو تمام مسلمانوں پرضروری مسائل کاعلم حاصل کرنا فرض نہیں قرار دیا جاتا۔اب جبکہ ضروری مسائل کاعلم فرض قرار دیا گیا تو اس

کا واضح مفہوم یہی ہے کہ روزمرہ اور ضروریات زندگی کے عام فہم مسائل کے لیے علمائے کرام کے پاس گھومنا مطلوب شرع نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کو ان امور کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہر جگہ اور ہر وقت علمائے دین دستیاب بھی نہیں ہو سکتے۔

علم دین: فرض عین کی جانب قلت توجہ کے اسباب

اسماعیل دہلوی (۱۱۹۳ھ-۱۲۴۶ھ-۱۷۷۹ء-۱۸۳۱ء) نے سال ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں ''تقویۃ الایمان'' لکھ کر مسلمانان ہند کو کرب واضطراب میں مبتلا کر دیا۔ بہت مشقت و جانفشانی کر کے علمائے اہل سنت و جماعت نے اس طوفانی بلا یعنی وہابیت کا دفاع کیا، اسی سال ۱۹: ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو جامع مسجد دہلی میں علمائے اہل سنت و جماعت کا اسماعیل دہلوی اور عبدالحئ بڈھانوی (م ۱۲۴۳ھ، ۱۸۲۸ء) سے مناظرہ ہوا، دونوں شکست کھا کر بھاگے۔ وہابیت قریباً دم توڑ چکی تھی، لیکن پھر 43 سال بعد 15 محرم ۱۲۸۳ھ مطابق 30 مئی ۱۸۶۶ء کو ہندوستان کے وہابیوں نے قصبہ دیوبند میں ''دارالعلوم'' قائم کیا۔ سنی گھرانے کے بچوں کو تعلیم کے نام پر وہاں لے جاتے۔ اس کے تمام اخراجات بھی دارالعلوم سے پورے کیے جاتے، بلکہ غریب ماں باپ کی کفالت بھی دارالعلوم سے کی جاتی۔ بچہ جب فارغ التحصیل ہو کر آتا تو چند سالوں میں گاؤں وعلاقہ میں وہابیت و دیوبندیت کی تبلیغ کرتا۔ رفتہ رفتہ لوگ وہابیت کی جانب مائل ہو جاتے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر علمائے اہل سنت و جماعت کی ساری توجہ عالمیت وفضیلت کی تعلیم کی جانب مبذول ہو گئی۔ مکتب کی تعلیم میں اصلاح کا انھیں موقع نہ مل سکا۔

جس وقت دیوبند کا مدرسہ قائم ہو رہا تھا، اس وقت قافلہ سالار اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری علیہ رحمۃ الباری (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ-۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کی عمر صرف دس سال، تین ماہ اور پانچ دن تھی۔ آج ہمارے پاس علمائے دین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، اس لیے مختلف مقاصد کے لیے مختلف کمیٹیاں اور تنظیمیں ہونی چاہئے۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ عظیم خدمت کس کو سپرد کی جاتی ہے؟ دین ومذہب ان کا، اختیار خداداد ان کے پاس (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ یہ تو مرضی مبارک کہ کس کا انتخاب ہوتا ہے؟ تدبیر کی کامیابی کا راز تقدیر کے مبہم خاکوں میں مضمر ہوتا ہے۔ بعض امور خالص وہبی ہوتے ہیں، اور بعض کسبی امور بھی حد درجہ احسان وعطا پر موقوف۔

تنظیم المدارس وجمعیۃ المعلمین

سمستھا کیرلا کے زیر انتظام کیرلا کے تمام پلی درس کو ایک سلسلہ میں منسلک کر کے جدید نظام تعلیم کے اعتبار سے پلی درس کو مستحکم کر دیا گیا ہے، اور حسب ضرورت اساتذہ کی تقرری کی جاتی ہے۔ 24 مارچ ۱۹۵۱ء میں ''وڈکرا'' (Vodakkara) میں حضرت مولانا حبیب اللہ (مفتی مدارس) کے زیر صدارت تنظیم المدارس سے متعلق مٹنگ منعقد ہوئی، پھر اسی سال ستمبر میں تنظیم المدارس کے پروگرام کو عملی طور پر سرانجام دینے کے لیے ایک منتظمہ کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔ انتظامی امور کے لیے 33 ممبران منتخب ہوئے۔ حضرت مولانا محی الدین کٹی مسلیار کو صدر اور کے پی عثمان صاحب جنرل سکریٹری مقرر کیے گئے۔ حضرت سید عبدالرحمٰن بافقیہ کو خازن مقرر کیا گیا۔ تنظیم المدارس کمیٹی کے زیر اہتمام تمام درج رجسٹر مدارس کے ششماہی وسالانہ امتحانات ہوا کرتے ہیں۔

قرأت وتجوید قرآن کی تعلیم کے لیے سمستھا کیرلا کی جانب سے قرا ومجودین کو مقرر کیا جاتا ہے جو متعینہ مدت میں تمام ملحقہ مدارس میں تجوید وقرأت کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ سمستھا کے ماتحت معلمین کی بھی ایک تنظیم ہے جو ''جمعیۃ المعلمین'' کے نام سے موسوم ہے۔ جمعیۃ المعلمین کی ایک ریاستی کمیٹی ہوتی ہے، پھر ضلعی وعلاقائی کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ ہر ماہ ان کمیٹیوں کی مٹنگ ہوتی ہے۔

کیرلا میں جو تعلیم گاہیں ''پلی درس'' کے نام سے متعارف ہیں اور قریباً ہر مسجد میں اس کا اہتمام ہے۔ اس کے لیے مستقل نصاب تعلیم ہے

۔سمستھا کیرلا (سنی جمیعۃ العلما) اپنی ایک ذیلی کمیٹی ''تنظیم المدارس'' کے ذریعہ کیرلا بھر کے پلی درس کی نگرانی کرتا ہے۔اسکولوں کی طرح پلی درس میں سات کلاس ہوتے ہیں۔ششماہی وسالانہ امتحانات بھی ہوتے ہیں۔سمستھا کیرلا کی ذیلی کمیٹی ''جمیعۃ المعلمین'' بھی پلی درس کی نگرانی اوراس سے متعلق منصوبہ سازی کرتی ہے۔پلی درس کی تمام درسی کتابوں کی اشاعت سمستھا کیرلا کی جانب سے ہوتی ہے۔ریاست بھر کے پلی درس میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔اس طرح شعبہ نشر واشاعت سے ''سمستھا کیرلا'' کو ہر سال ایک بڑی آمدنی حاصل ہوتی ہے، جو تنظیمی امور میں صرف ہوتی ہے۔معاونین کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔

ملیالم زبان میں مسجد کو ''پلی'' کہا جاتا ہے۔اس طرح پلی درس کا مفہوم ''مسجد کا درس'' ہوا۔چونکہ ہندوستان بھر میں اس تعلیم کا سب سے عمدہ انتظام ریاست کیرلا میں ہے۔اس لیے اس تعلیم کا نام ریاست کیرلا کی مناسبت سے ''پلی درس'' رکھا جائے، تاکہ بوقت ضرورت اہل کیرلا سے پلی درس کے اصول وضوابط اور طور طریقے اخذ کیے جاسکیں۔کیرلا میں پلی درس کو مدرسہ بھی کہا جاتا ہے، اوراقامتی مدارس جہاں عالمیت وفضیلت کی تعلیم ہوتی ہے، اسے ''کالج'' کہا جاتا ہے۔شمالی ہند میں اقامتی مدارس کو مدرسہ یا دارالعلوم کہا جاتا ہے۔بعض عظیم مدارس کو جامعہ بھی کہتے ہیں، جبکہ پلی درس (درس مساجد) کو ''مکتب'' کہا جاتا ہے، اورعوام مسلمین مکتب کو ''مدرسہ'' کہتے ہیں۔

شمالی ہند میں علم دین (فرض عین)

شمالی ہند میں علم دین: فرض عین کے لیے کبھی کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔قوم کے درمیان خصوصی طور پر یہ تحریک نہ چلائی گئی کہ اگر علم دین: فرض کفایہ کی فرصت وہمت نہیں تو علم دین: فرض عین ضرور حاصل کریں۔علم دین: فرض عین کی تحصیل کے لیے نہ کوئی طویل مدت کی ضرورت ہے، نہ ہی مستقل وقت دینے کی ضرورت۔اسکول وکالج کے فارغ اوقات مثلاً صبح بعد فجر یا شام کو بعد عصر ومغرب دینی تعلیم کے لیے وقت دیا جاسکتا ہے۔اہل کیرلا کے یہاں ''پلی درس'' کا یہی ٹائم ہے، یعنی صبح کو بعد نماز فجر اور شام کو بعد نماز عصر ومغرب۔چونکہ پلی درس میں سات کلاس ہوتے ہیں، اس لیے ہر مسجد میں امام وخطیب کے علاوہ چھ سات اساتذہ ہوتے ہیں، جنہیں ''استاذ'' کہا جاتا ہے، اورامام کو ''خطیب'' یا ''قاضی'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔شمالی ہند میں بھی مساجد میں امام وخطیب کے علاوہ اساتذہ مقرر کیے جائیں۔

شمالی ہند میں علم دین: فرض عین کی جانب آج بھی قوم کی کما حقہ ترغیب وتشویق نہیں کی جاتی ہے۔تمام فضائل ومحاسن علم دین: فرض کفایہ یعنی عالم وفاضل اور حافظ قرآن کے بیان کیے جاتے ہیں۔مکتب کی تعلیم یا مکتب کے مدرس کی کچھ حیثیت ووقعت بھی نہیں ہوتی۔آج نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو یہ معلوم بھی نہیں کہ یہی مکتب میں دی جانے والی دینی تعلیم فرض عین ہے، اورعظیم الشان مدارس میں ہونے والی تعلیم فرض کفایہ ہے۔اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جب انسان کے قلب ونظر میں کسی چیز کی اہمیت وعزت کم ہوجاتی ہے تو اس کی جانب توجہ بھی نہیں جاتی۔یہی حال شمالی ہند میں علم دین: فرض عین کا ہوا۔کیرلا میں ہر مسلمان پلی درس میں لازمی طور پر تعلیم پاتا ہے، اور پلی درس کا فارغ التحصیل نصف عالم ضرور ہوجاتا ہے۔شمالی ہند میں مکاتب کی تعلیمی بہتری کے لیے مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ: کیرلا) کے زیر اہتمام ''اسلامک ایجوکیشنل بورڈ آف انڈیا'' تشکیل دیا گیا ہے۔سال ۱۹۹۱ء میں اس کا مرکزی آفس دہلی میں قائم کیا گیا۔تادم تحریر یہ بورڈ تعلیمی خدمات میں مصروف عمل ہے۔اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔عمل، عدم عمل سے بہتر ہے۔کہا جاتا ہے: ''حرکت میں برکت ہے''۔

علم دین: فرض عین سے غفلت کا نقصان کیا ہے؟

میں پلی درس یا مکتب کی تعلیم کے ساتھ بار بار فرض عین لکھ کر اس جانب قوم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، نیز اس تعلیم کی اہمیت اور قدر وقیمت

سے بھی امت مسلمہ کو آگاہ کرنا مقصود ہے۔اگر میں اس کو "مکتب کی تعلیم" لکھ دوں تو مکتب کی تعلیم کا جو تصور عامۃ المسلمین کے دل ودماغ میں بیٹھا ہوا ہے، وہی تصور پلٹ آئے گا۔سبھوں کو معلوم ہے کہ مکتب کی تعلیم اور مکتب کے اساتذہ کی اہمیت ہمارے دل ودماغ میں صفر کے برابر ہے، حالانکہ مکتب میں علم دین: فرض عین کا اہتمام ہوتا ہے۔

علم دین: فرض عین سے ناواقف ہونے کے بہت سے نقصانات ہیں۔نہ ایمان سلامت رہ سکتا ہے، نہ ہی اعمال وعبادات۔اسلامی عقائد کی تعلیم بھی ضروری ہے، کیونکہ ہر عہد میں بدمذہب فرقے اپنے دین باطل کی تبلیغ میں لگے رہے، اور ایمان ہاتھ سے چلے جانے کا خطرہ عامۃ المسلمین کے سروں پر منڈلاتا رہا ہے۔علم عقائد کے ساتھ وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل اور تجوید قرآن کا سیکھنا لازم ہے۔

تجوید قرآن سے ناواقف ہونے کا نقصان

نماز ہر دن پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔نماز میں آیات قرآنیہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔اگر قرآن نہ پڑھا ہو، یا آیات زبانی یاد نہ ہوں تو نماز میں کیا پڑھے گا؟ اگر آیات وسورتیں یاد ہیں، لیکن حروف کے مخارج اور صفات سے ناواقف ہے، تو یہ بھی ایک بڑا معاملہ ہے۔اگر حرف کی ادائیگی میں فساد کے سبب معنیٰ فاسد ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔صفات کی ادائیگی کا بھی خیال رہے۔فقہی مسائل درج ذیل ہیں۔

مسئلہ: ط ت، س ث ص، ذ ز ظ، ا ء ع، ہ ح، ض ظ د، ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں، ورنہ معنیٰ فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہو گی، اور بعض تو س ش، ز ج، ق ک میں بھی فرق نہیں کرتے۔(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۵۷: مکتبۃ المدینہ کراچی)

مسئلہ: ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے، اس پر کوشش کرنا ضروری ہے۔اگر لاپرواہی سے ہے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ وعلما کہ ادا کرنے پر قادر ہیں، مگر بے خیالی میں تبدیل حرف کر دیتے ہیں تو اگر معنیٰ فاسد ہوں، نماز نہ ہوئی۔اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھی ہوں، ان کی قضا لازم۔(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۵۷: مکتبۃ المدینہ کراچی)

مسئلہ: جس سے حروف صحیح ادا نہیں ہوتے، اس پر واجب ہے کہ تصحیح حروف میں رات دن پوری کوشش کرے، اور اگر صحیح خواں کی اقتدا کر سکتا ہو تو جہاں تک ممکن ہو، اس کی اقتدا کرے، یا وہ آیتیں پڑھے جس کے حروف صحیح ادا کر سکتا ہو، اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہوں تو زمانہ کوشش میں اس کی اپنی نماز ہو جائے گی، اور اپنے مثل دوسرے کی امامت بھی کر سکتا ہے، یعنی اس کی کہ وہ بھی اسی حرف کو صحیح نہ پڑھتا ہو، جس کو یہ، اور اگر اس سے جو حرف ادا نہیں ہوتا، دوسرا اس کو ادا کر لیتا ہے، مگر کوئی دوسرا حرف اس سے ادا نہیں ہوتا تو ایک دوسرے کی امامت نہیں کر سکتا، اور اگر کوشش بھی نہیں کرتا تو اس کی خود بھی نہیں ہوتی، دوسرے کی اس کے پیچھے کیا ہوگی۔آج کل عام لوگ اس میں مبتلا ہیں کہ غلط پڑھتے ہیں اور کوشش نہیں کرتے، ان کی نمازیں خود باطل ہیں، امامت درکنار۔(بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۷۰،۵۷۱: مکتبۃ المدینہ کراچی)

مسئلہ: جس نے سبحان ربی العظیم میں عظیم کو عزیم، ظ کے بجائے ز پڑھ دیا تو نماز جاتی رہی، لہٰذا جس سے عظیم صحیح ادا نہ ہو، وہ سبحان ربی الکریم پڑھے۔(قانون شریعت جلد اول ص ۱۰۰: شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

مسئلہ: امی پر واجب ہے کہ رات دن کوشش کرے، یہاں تک کہ بقدر فرض قرآن مجید یاد کر لے، ورنہ عنداللہ تعالیٰ معذور نہیں۔(عالمگیری) (بہار شریعت حصہ سوم ص ۵۷۰: مکتبۃ المدینہ کراچی)

(۱) امام احمد رضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) نے تحریر فرمایا: "حروف کو ان کی صفات شدت وجہر وامثالہما کے پورے حقوق دیئے جائیں۔اظہار واخفا وتفخیم وترقیق وغیرہا محسنات کا لحاظ رکھا جائے۔یہ مسنون ہے اور اس کا ترک مکروہ وناپسند، اور اس کا اہتمام فرائض وواجبات

میں تراویح سے زیادہ، اور تراویح میں نفل مطلق سے زیادہ''۔(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۰۳: رضا اکیڈمی ممبئی)

(۲)''واجب واجماعی مد متصل ہے۔ منفصل کا ترک جائز، ولہٰذا اس کا نام ہی مد جائز رکھا گیا اور جس حرف مدہ کے بعد سکون لازم ہو، جیسے ضالین، الم'' وہاں بھی مد بالا جماع واجب، اور جس کے بعد سکون عارض ہو، جیسے العالمین، الرحیم، العباد، یوقنون بحالت وقف یا قال اللھم بحالت ادغام، وہاں مد وقصر دونوں جائز۔ اس قدر ترتیل فرض وواجب ہے۔ اور اس کا تارک گنہگار، مگر فرائض نماز سے نہیں کہ ترک مفسد صلاۃ ہو''۔(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۰۳: رضا اکیڈمی ممبئی)

(۳)''بلاشبہہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حروف ہو، اور غلط خوانی سے بچے، فرض عین ہے''۔(فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۱۳۰: رضا اکیڈمی)

دو قسم کی تعلیم گاہوں کا قیام لازم

علم دین: فرض کفایہ کی تعلیم کے لیے عظیم الشان اقامتی مدارس ملک بھر میں موجود ہیں۔ اب لازم ہے کہ علم دین: فرض عین کی تعلیم و تربیت کے لیے چند اقامتی مدارس قائم کیے جائیں، جہاں یک سالہ، دوسالہ کورسز ہوں۔ ان تعلیم گاہوں کو صدقات واجبہ سے بالکل مستثنیٰ رکھا جائے۔ طلبہ سے فیس لی جائے، اور انتظامات اچھے ہوں، تاکہ ارباب ثروت بھی اپنے بچوں کو یہاں داخل کر سکیں۔ اس قسم کی تعلیم گاہوں کا ایک مستقل نصاب تعلیم ہو، اور ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ ناظرہ قرآن مجید، حفظ سورت، تجوید، اردو زبان، سیرت نبوی، فقہ حنفی وغیرہ مضامین شامل نصاب ہوں۔ رفتہ رفتہ اسی نصاب تعلیم کو تمام مکاتب وانجمن میں رائج کر دیا جائے، تاکہ ہر مسلمان کو دینی تعلیم کا اچھا موقع فراہم ہو سکے۔

نصاب تعلیم برائے دینیات

Syllabus for Islamic Studies

موجودہ صورت حال میں لازم ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرز پر دینی تعلیم کے لیے قلیل المدت مختلف قسم کے کورس ہوں۔ ہماری تجویز میں دو قسم کے پروگرام ہیں۔(۱) سرٹیفکیٹ کورس ان اسلامک اسٹڈیز: یک سالہ (۲) ڈپلوما ان اسلامک اسٹڈیز: دوسالہ

1-Certificate Course in Islamic Studies (One Year)

2-Diploma in Islamic Studies (Two Years)

اس قسم کے کورسز کا مقصد صرف یہ ہو کہ طلبہ کو فرض علم دین سے آراستہ کر دیا جائے۔ ابتدائی مرحلہ میں اس قسم کی تعلیم کے لیے باضابطہ اقامتی مدارس کا انتظام کیا جائے، پھر اسی درمیان مکتب کی تعلیم کو سدھارنے کی تدبیر جاری رہے، تاکہ ہندوستان کا ہر ایک مسلمان فرض عین کی ادائیگی کر سکے۔ اب جسے علم دین: فرض کفایہ یعنی عالم وفاضل بننا ہو تو اس کے لیے بہت سے اقامتی مدارس موجود ہیں۔ ڈپلوما کے نصاب تعلیم کا مجوزہ خاکہ حسب ذیل ہے۔ بوقت ضرورت اس میں ترمیم وتبدیلی کی جا سکتی ہے۔

Syllabus for Certificate Course in Islamic Studies

1st Semester

(۱) ناظرۂ قرآن مع تصحیح حروف وصفات (۲) قانون شریعت: بحث نماز (۳) قانون شریعت: بحث روزہ وحج

(۴) سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۵) اسلامی اخلاق وآداب (۶) نماز عیدین، جمعہ، جنازہ ونکاح کی عملی تربیت

2nd Semester

(۱) مصباح التجوید مع مشق قرأت (۲) قانون شریعت: بحث نکاح وطلاق (۳) قانون شریعت: بحث بیع وشرا

(۴) قانون شریعت: بحث عقائد (۵) اسلامی تاریخ (۶) بہار شریعت سے استخراج مسائل کی عملی تربیت

اہلیت داخلہ: امیدوار ناظرۂ قرآن اور ابتدائی اردو پڑھا ہو۔ مدت تعلیم: ایک سال (اپریل تا مارچ)

Syllabus for Diploma in Islamic Studies

1st Semester

(۱) بہار شریعت: اول (۲) بہار شریعت: دوم (۳) جاء الحق (۴) ضیاء القرأت (۵) منہاج العربیہ: اول (۶) ابتدائی فارسی

2nd Semester

(۱) بہار شریعت: سوم (۲) بہار شریعت: چہارم (۳) جاء الحق (۴) فوائد مکیہ (۵) منہاج العربیہ: دوم (۶) فارسی قواعد

3rd Semester

(۱) بہار شریعت: پنجم (۲) بہار شریعت: ششم (۳) عربی نحو وصرف (ضروری قواعد) (۴) فیض الادب: اول (۵) تسہیل المصادر

(۶) فتاویٰ رضویہ ودیگر اردو کتب فتاویٰ سے فقہی مسائل کا استخراج (عملی تربیت)

4th Semester

(۱) بہار شریعت: ہفتم (۲) بہار شریعت: بستم (۳) جامع الوقف (۴) فیض الادب: دوم (۵) تبلیغ دین کی عملی مشق

(۶) ردوابطال کی کتابوں سے سنی، وہابی اختلافی مسائل کے جوابات کا استخراج (عملی تربیت)

شرائط داخلہ: امیدوار سرٹیفکیٹ کورس ان اسلامک اسٹڈیز کا امتحان پاس کیا ہو، یا ڈپلوما ان اسلامک اسٹڈیز کا انٹرنس اگزام پاس کیا ہو۔

مدت تعلیم: دوسال (اپریل اول تا مارچ دوم)

(۱) اسکول میں سالانہ امتحان ماہ مارچ میں ہوتا ہے، اور پھر ماہ مئی سے اسکول دوبارہ کھل جاتا ہے۔ اسکول کے نظام الاوقات کے اعتبار سے سرٹیفکیٹ کورس اور ڈپلوما کا وقت متعین کیا جائے، تاکہ اسکول میں تعلیم پانے والے طلبہ ایک یا دوسال کے لیے دینی تعلیم سے منسلک ہوکر دینی تعلیم حاصل کرلیں، پھر اسکولی تعلیم کی جانب منتقل ہوجائیں۔ اس اعتبار سے یہ دونوں تعلیمی پروگرام اپریل سے شروع کیا جائے اور آئندہ مارچ پر ختم کردیا جائے۔ سرٹیفکیٹ کورس مارچ اول میں اور ڈپلوما مارچ دوم میں مکمل ہوجائے گا۔ پھر اپریل یا مئی میں طلبہ اسکول میں ایڈمیشن لے لیں۔ اس تعلیم کا سلسلہ مدارس عربیہ کی طرح شوال تا شعبان رکھنا مناسب نہیں ہے۔

(۲) نصاب تعلیم میں جتنی کتابیں ہوں، سب کی مقدار تعلیم متعین ہو۔ (۳) ہر سمسٹر کا امتحان متعینہ مقدار تعلیم تک ہو۔

(۴) اس نظام کے لیے ایک باضابطہ بورڈ ہو، جو اس قسم کے تمام مدارس کے امتحانات اور نظام ونصاب کی نگرانی کرے۔

دینی تعلیم کے تدریسی درجات

مدارس عالیہ کے نصاب اعتبار سے دینی تعلیم کے متعدد تدریسی درجات ہیں۔ (۱) تحتانیہ (۲) وسطانیہ (۳) فوقانیہ (۴) مولوی (۵) عالم (۶) فاضل۔ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ (پٹنہ) کی جانب سے وسطانیہ سے فاضل تک کے امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔ تحتانیہ سے مراد دینیات کی ابتدائی تعلیم ہے، جسے اسکول کی زبان میں پرائمری ایجوکیشن (Primary Education) کہا جاتا ہے۔ (باقی صفحہ ۵۴ پر)

خضر راہ

اس کالم میں قارئین ودانش وران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں (ادارہ)

غیر مسلموں کی دوکان، پارٹی اور ہوٹل کا گوشت

از: مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی جامعۃ البرکات علی گڑھ

رابطہ: +91-9679583583

جس طرح دنیا کے ہر ملک کا آئین وقانون اپنے شہریوں کو دوسرے ممالک کے شہریوں کے ساتھ تعلقات کی اجازت دیتا اور آئین کے حدود میں رہتے ہوئے بہتر تعلقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اسی طرح اسلام بھی ہمارے آس پڑوس اور معاشی وسماجی دوستوں کی سرکل میں آنے والے غیر مسلموں سے بہتر تعلق بنانے اور مثبت رویہ رکھنے کا نہ صرف حکم دیتا ہے، بلکہ اسلامی قوانین کی پاسداری کی شرط کے ساتھ اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی پرزور تاکید بھی کرتا ہے۔

کبھی سفر میں اور کبھی دوستوں اور رشتہ داروں کی خواہش پر ہمیں اپنے گھر سے باہر بنے کھانے کی ضرورت اور نوبت آتی ہے۔ اس سلسلے میں بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں کون سا کھانا کھانا چاہیے، اور کس طرح کے کھانوں سے پرہیز کرنا چاہیے؟ غیر مسلم کی دوکان اور ہوٹل سے گوشت خریدنے اور ان کی پارٹی / دعوت کے گوشت کے بارے میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ حلال جانور ہونے کے علاوہ ذبح کرنے والا بھی مسلم ہو، جس نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہو، اور کھانے والے مسلمان کے ہاتھ میں پہونچنے تک کسی بھی لمحہ وہ گوشت مسلمان کی نظر یا حفاظت سے غائب نہ ہوا ہو۔ اگر ایک سکنڈ کے لیے بھی نظر مسلم سے غائب رہا تو وہ گوشت مسلمان کے لیے حرام ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو بہت سے لوگوں کے ذہن میں شبہات پیدا کر سکتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ بھائی چارگی کا تقاضا یہ ہے کہ مذہب کے نام پہ اس طرح کا فرق نہ کیا جائے۔ مگر اس نظریہ کے حاملین خود اچنبھے میں پڑ کر چکرا جائیں گے، جب بائبل کا آنے والا پیراگراف پڑھیں گے۔ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر پڑھیں:

> "Ye are the children of the LORD your God: ye shall not cut yourselves, nor make any baldness between your eyes for the dead. for thou art an holy people unto the LORD thy God, and the LORD hath chosen thee to be a peculiar people unto himself, above all the nations that are upon the earth. Thou shalt not eat any abominable thing.......... Ye shall not eat of any thing that dieth of itself: thou shalt give it unto the stranger that is in thy gates, that he may eat it; or thou mayest sell it unto an alien: for thou art an holy people unto the LORD thy God. Thou shalt not seethe a kid in his mother's milk."
>
> (Deuteronomy: 14/1-21, KJV, Pub. by TBR, Bible Society of India, Bangalore, India, 2008)

''تم خُداوندا اپنے خُدا کے فرزند ہو۔ تم مُردوں کے سبب سے اپنے آپ کو زخمی نہ کرنا اور نہ اپنے اَبرو کے بال مُنڈ وانا۔ کیونکہ تو خُداوندا اپنے خُدا کی مقدس قوم ہے اَور خُدا نے تجھ کو روئے زمین کی اَور سب قوموں میں سے چن لیا ہے، تا کہ تو اُس کی خاص قوم ٹھہرے۔ تو کسی گھنونی چیز کو مت کھانا۔...... اَور جو جانور آپ ہی مر جائے، تم اُسے مت کھانا۔ تو اُسے کسی پردیسی کو جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو، کھانے کو دے سکتا ہے، یا اُسے کسی اجنبی آدمی کے ہاتھ بیچ سکتا ہے، کیونکہ تو خُداوندا اپنے خُدا کی مقدس قوم ہے۔ تو حلوان کو اُسی کی ماں کے دودھ میں نہ اُبالنا۔'' (اِستثنا: ۱۴/ ۱- ۲۱، بائبل سوسائٹی ہند، بنگلور، کرناٹک، انڈیا، ۲۰۱۰ء)

اس پیراگراف میں 'Alien' اور 'اجنبی آدمی' کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو بائبل میں اِسرائیلیوں (یہود و نصاریٰ) کے علاوہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امید ہے کہ یہ اقتباس پڑھنے کے بعد ہمارے مسلم دانشور اور دیگر اہل فکر اسلام سے متعلق کسی بھی مسئلہ پہ اپنی رائے کا اظہار کرنے اور نئے فیشن کو اپنانے سے پہلے جید علما سے رابطہ کر کے اسلامی نقطۂ نظر کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ ہم نے جن جملوں کو انڈرلائن کیا ہے، انھیں اپنے ذہن کی تختی پہ ہمیشہ ہمیش کے لیے محفوظ کرلیں، تا کہ اسلام پہ وارد ہونے والے بہت سے شبہات واعتراضات کا جواب خود بخود مل جائے۔

باہمی تعلقات الگ معاملہ ہے۔ اس پر تو اسلام بھی سختی سے تاکید کرتا ہے کہ ہمیں اپنے معاشرے اور سماج میں رہنے والے غیر مسلموں سے بھی خوشگوار تعلقات رکھنا چاہئے، مگر اسلامی قوانین کے دائرے میں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ان کے یہاں گوشت کھائیں، تبھی ان کی دل جوئی ہوگی، جس طرح ہم ان کی دل جوئی کا لحاظ کرتے ہیں انھیں بھی ہماری دل جوئی اور ہمارے مذہبی قوانین کا خیال رکھنا چاہئے۔

علاوہ اَزیں حالیہ دنوں میں یہ رپورٹ بھی سامنے آئی ہے کہ مشہور فاسٹ فوڈ کمپنی کے ایف سی (Kentucky Fried Chicken) حلال کے نام پر غیر حلال گوشت بیچتی ہے، اور مسلم گاہکوں کے پوچھنے پر اس کے اسٹاف کی طرف سے اس کے حلال ہونے کی جھوٹی یقین دہانی کرانے کی غلط کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی پوری تفصیل ان ویب سائٹس پر پڑھی جاسکتی ہے:

(http://www.timesheadline.com/india/kfc-serving-non-halal-chicken-using-fake-halal-certificates-2897.html)
(http://www.mirror.co.uk/news/uk-news/kfc-branch-served-non-halal-6427901)
(http://hamdamdaily.com/kfc-serving-non-halal-chicken-using-fake-halal-certificate/)

اسی طرح بہت سے علاقوں میں بہت سے غیر مسلم چکن دوکاندار اپنی دوکانوں میں جانور ذبح کرنے کے لیے کرتا پاجامہ والے مسلمان کی تقرری کرتے ہیں، تا کہ انھیں دیکھ کر مسلمان یہ سمجھیں کہ یہاں حلال گوشت ہی ملتا ہے، مگر انھیں مقرر کردہ اَفراد میں سے ایک صاحب بتا رہے تھے کہ ہم نے اپنی نوکری اس لیے چھوڑ دی کہ ہماری قوم کو ہمارے نام سے حرام گوشت کھلایا جارہا تھا۔ دو جانور ہم ذبح کرتے اور برتن میں دس جانور جمع ہوجاتے۔ ہمارے پوچھنے پر بتایا جاتا کہ سب حلال ہے۔ جب ہمیں یہ احساس ہوا کہ جتنے لوگ ہمارے نام سے دھوکا کھا کر حرام گوشت کھائیں گے، ان سب کا وبال ہم پر آئے گا تو ہم نے نوکری چھوڑنے میں ہی عافیت جانی۔ تحقیق کرنے پر اور بھی بہت سی دوکانوں کا معاملہ اس طرح اجاگر ہوسکتا ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ ہر گوشت والا اور ہر ہوٹل والا KFC کی طرح ہی ہو۔ بہت سے اَفراد ہمارے مذہبی جذبات کا خیال رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، مگر ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی پیمانہ بھی تو نہیں ہے کہ کون اپنی زبان میں سچا ہے اور کون جھوٹا؟ اس لیے اسلام نے شبۂ حرام سے بھی بچنے کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ نظر مسلم یا حفاظت مسلم سے غائب رہنے والا گوشت حرام ہوجاتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم سفر اور پارٹی وغیرہ میں نظر مسلم سے غائب رہے گوشت سے اپنے کو دور رکھیں، اور سبزیاں وغیرہ ہی استعمال میں لانے کی کوشش کریں۔ اسی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا وخوشنودی ہے، جو ہمارے لیے کسی بھی شخص کی دل جوئی سے بڑھ کر ہے۔ ☆

سپریم کورٹ کے فیصلہ پر خاموشی برقرار

طارق انور مصباحی (کیرلا)

22:اگست ۲۰۱۷ء کو صبح ساڑھے دس بجے طلاق ثلاثہ سے متعلق سپریم کورٹ نے فیصلہ سنایا۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ 395:صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 395:پر درج ذیل فیصلہ مرقوم ہے، اور پانچ ججوں کا دستخط ہے۔

ORDER OF THE COURT

In view of the different opinions recorded, by a majority of 3:2 the practice of 'talaq-e-biddat'-triple talaq is set aside. {Jugment of Supreme Court page 395}

ترجمہ: ریکارڈ شدہ مختلف خیالات کے تناظر میں ''طلاق بدعت'' تین طلاق کا عمل 3:بمقابل 2: کی اکثریت سے منسوخ ہو چکا ہے۔

سپریم کورٹ میں طلاق ثلاثہ کیس کی سماعت (11:مئی تا 18:مئی ۲۰۱۷ء) کے دوران اٹارنی جنرل (Attorney General) مکل روہتگی {Mukul Rohatgi} نے کہا تھا کہ اگر سپریم کورٹ طلاق ثلاثہ کو منسوخ کر دیتا ہے تو حکومت اس بارے میں پارلیامنٹ سے قانون بنائے گی۔ درحقیقت یہ یونیفارم سول کوڈ کے نام پر ہندوتوا {Hindutva} کو نافذ کرنے کی ایک اعلانیہ کوشش ہے۔

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر سپریم کورٹ میں چھ دنوں تک 18,17,16,15,12.11 مئی ۲۰۱۷ء کو فریقین کے دلائل کی سماعت ہوتی رہی۔ دونوں فریق کو تین تین دن کا وقت دیا گیا۔ چیف جسٹس آف انڈیا سمیت کل پانچ ججوں نے اس کیس کی سماعت کی۔ چونکہ یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا، اس لیے سپریم کورٹ نے اس کی سماعت کے لیے پانچ الگ الگ مذاہب کے پانچ ججوں کا انتخاب کیا تھا۔ عدالت عظمیٰ کا یہ طریق کار اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ موضوع مذہبی اور انتہائی حساس نوعیت کا ہے۔

ججوں کے نام اور مذاہب درج ذیل ہیں۔

(1) چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس جگدیش سنگھ کھیہر {Jagdish Singh Khehar} (سکھ مذہب)

(2) جسٹس کورین جوزف {Kurian Joseph} (عیسائی مذہب)

(3) جسٹس روہنٹن فلی نریمن {Rohinton Fali Nariman} (پارسی مذہب)

(4) جسٹس ایس عبدالنذیر {S. Abdul Nazeer} (مسلم مذہب)

(5) جسٹس اودے اومیش للت {Uday Umesh Lalit} (ہندو مذہب)

(الف) سابق چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس کھیہر اور جسٹس عبدالنذیر نے طلاق ثلاثہ کو دستور ہند کے موافق بتایا اور باقی تین ججوں نے اسے غیر قانونی (Unconstitutional) بتایا۔

(ب) چیف جسٹس آف انڈیا اور جسٹس عبدالنذیر نے پارلیامنٹ کو اس بارے میں قانون سازی کی ہدایت کی، باقی تین ججوں نے کچھ ہدایت تحریر نہ کی۔

(ج) چیف جسٹس آف انڈیا، جسٹس عبدالنذیر اور جسٹس کورین جوزف نے ''پرسنل لا'' کو آرٹیکل 25:میں موجود مذہب پر عمل کرنے کے حق کا حصہ مانتے ہوئے اس کو بنیادی حق تسلیم کیا۔

(د) چونکہ صرف دو ججوں نے پارلیامنٹ کو قانون سازی کی ہدایت کی ہے اور تین ججوں نے ایسا کچھ نہیں کہا، اس لیے اس فیصلہ کی بنیاد پر مرکزی حکومت کو قانون سازی کے لیے عمل دخل کرنا مناسب نہیں، کیونکہ پانچ رکنی بنچ کے اقلیتی حصہ (دو جج) کا یہ نقطہ نظر ہے۔

سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کسی نے طلاق بدعت (یکبارگی تین طلاق) دیدی، اب شرعی طور پر یہ طلاق واقع ہوگئی، جبکہ کورٹ کے قانون کے اعتبار سے یہ طلاق نہ ہوئی تو اب وہ میاں بیوی ساتھ رہیں یا نہ رہیں؟ اگر ساتھ رہتے ہیں تو شریعت اسلامیہ کے اعتبار سے غلط ہے اور ساتھ نہ رہیں تو کورٹ کی طرف سے مشکل ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت شریعت اسلامیہ پر عمل کرنا چاہتی ہے۔ جو چند مسلم نما عورتیں شرعی مسائل پر اعتراض کرتی ہیں، ان کی تعداد لاکھ میں اکا دکا ہے۔ جن عورتوں کو شریعت پر عمل کی بجائے کورٹ کا قانون چاہئے، وہ اسپیشل میرج ایکٹ ۱۹۵۴ء کے اعتبار سے شادی کریں، تاکہ ان کے شوہروں کو طلاق ثلاثہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ سپریم کورٹ کو بھی یہی مشورہ دینا چاہئے، لیکن ایک ایسا قدم اٹھا لیا گیا کہ ملک بھر کے مسلمانوں میں تشویشناک ماحول پیدا ہوگیا۔ طلاق ثلاثہ کو روکنے والا سب سے بڑا قانون اسپیشل میرج ایکٹ ہے۔ اب کسی قانون کی ضرورت نہ تھی، نہ ہی قوم مسلم کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کی ضرورت تھی۔

بی جے پی حکومت یہ چاہتی ہے کہ اسلام میں طلاق کے جتنے بھی طریقے ہیں، وہ تمام ختم کر دیئے جائیں اور ہندو کوڈ بل میں بیان کردہ طریق طلاق پر عمل ہو، تاکہ یکساں سول کوڈ کی صورت پیدا ہو سکے۔ ایسے حساس موقع پر علمائے اہل سنت کی خموشی یقیناً قابل افسوس ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، سپریم کورٹ میں قوم مسلم کا نمائندہ بن کر کیس میں شریک ہوا تھا، اب وہ بھی خاموش ہے۔ بعض دانشوروں کا یہ بھی خیال ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ ایسے مواقع پر دوطرفہ رخ اختیار کر لیتا ہے۔ بظاہر مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے، اور در پردہ اہل حکومت سے بھی ہاتھ ملا لیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ شاہ بانو کیس متعلقہ نان ونفقہ (۸۵-۱۹۸۶ء) کے موقع پر بھی مسلم پرسنل لا بورڈ سازش کا شکار ہوگیا تھا۔ اگر یہ بات مبنی برحقیقت ہے تو علمائے اہل سنت و جماعت کو ایک تحریک تشکیل دینی ہوگی، جو ان مواقع پر حکومتی شعبہ جات میں قوم مسلم کی صالح نمائندگی کر سکے۔ کسی مشکوک تنظیم پر تنقید کر کے خاموش رہ جانا مسئلہ کا حل نہیں۔

اخباروں میں رپورٹ آرہی ہے کہ پارلیامنٹ میں طلاق ثلاثہ سے متعلق قانون سازی ہونے والی ہے۔ جب سارا کام مکمل ہو جائے گا، تب حرکت میں آنا غیر مفید اور مشقت آمیز ہوگا۔ علمائے کرام میں جو حضرات اہل ہیں، وہ اس بارے میں غور وفکر کریں، اور عملی اقدام کی کوشش کریں۔ کہیں رفتہ رفتہ ملک ہند میں اسلامی قوانین اور اصول وضوابط پر عمل معرض خطرات میں نہ جا پھنسے۔ آر ایس ایس مکمل منصوبہ بند طریقے پر ملک ہند سے اسلام کا نام ونشان مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ آر ایس ایس اور بی جے پی لیڈروں کے بیانات آتے رہتے ہیں کہ ملک سے اسلام و عیسائیت کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا۔ ہم نے اب تک صرف مسجد اور مدرسہ بنانا سیکھا ہے۔ آگے بڑھے تو جلسہ کر لیے، اس سے آگے کچھ بھی نہیں۔ اگر علما نہیں جاگتے ہیں تو دیگر تعلیم یافتہ طبقہ کو بیدار ہو کر عملی اقدام کرنا چاہئے۔ قومی ذمہ داری، قوم کے تمام اہل اور لائق افراد پر عائد ہوتی ہے۔ علمائے کرام چونکہ مذہبی قائد ہیں، اس لیے ان کا اقدام زیادہ مؤثر ہو سکتا تھا۔

اگر کوئی ایسے خطرناک دشمن کے سائے تلے رہتا ہو، جو اکثریت میں بھی ہو، اور بار بار جا بجا تمہیں ہلاک وبرباد، تمہارے بچوں کا اغوا، تمہاری عورتوں کی عصمت دری، تمہاری اقتصادی تباہی، اور تمہاری عزت وحرمت کو مسلسل پامال کرتا رہا ہو، کیا ایسے خونخوار دشمن کی موجودگی میں بھی کوئی آدمی چین کی نیند سو سکتا ہے۔ ہاں، وہ ہندوستانی مسلمان ہیں، جنھیں قومی مستقبل کی کوئی فکر نہیں۔ گزشتہ مظالم سے عبرت حاصل کرنے کی قوت بھی مفقود ہو چکی ہے۔ آئے دن قوم مسلم اور اقلیتوں کا قتل وغارت گری دیکھ کر بھی خاموش رہنا عجیب وغریب بات ہے۔ سارے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، اور اس جسم کی انگلیاں کٹتی جا رہی ہیں، ایک ایک عضو کاٹا جا رہا ہے، لیکن کسی کو ہوش نہیں۔

دلتوں نے کئی دہائیوں سے بام سیف (BAMCEF) نامی تحریک چلا رکھی ہے۔ذمہ داران تحریک کی مسلسل محنتوں کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ آج یا کل وہ ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔چونکہ شودروں پر برہمنی مظالم اور ذات پات کے نظام کے سبب وہ بددل ہوچکے ہیں،اس لیے وہ ہندومت کی جانب زیادہ مائل نہیں،بلکہ وہ لوگ خود کو ہندو بھی نہیں مانتے۔ابھی بام سیف کے اسٹیج سے مسلمانوں کی حمایت کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔مسلمانوں کے قومی تشخص کے تحفظ اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے برہمنی مظالم کے سد باب کے لیے بام سیف کی تائید اور سیاسی معاملات میں ان کے ساتھ شرکت مناسب معلوم ہوتی ہے۔شرعی احکام مفتیان کرام سے معلوم کیے جائیں۔

بام سیف میں اقلیتی طبقات کی شمولیت کا راستہ کھلا ہے۔اس کے ارکان وذمہ داران مسلم،سکھ،عیسائی،بدھشٹ،جینی وغیرہ کے رابطے میں بھی ہیں۔تحریک کا اصل مقصد ایس ٹی،ایس سی،او بی سی (درج فہرست قبائل،درج فہرست ذات،دیگر پسماندہ طبقات) اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ ہے۔اس کا فل فارم یہ ہے۔

The All India Backward {SC,ST,OBC} And Minority Communities Employees Fedration

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی تاریخ موت،6:دسمبر ۱۹۷۸ء کو دہلی میں بام سیف کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ابھی اس تنظیم کی صدارت وامن میشرام (Waman Meshram) کے پاس ہے۔وامن میشرام کی تقریروں نے دلتوں میں انقلاب برپا کردیا ہے۔چونکہ یہ ایک منظم تحریک ہے،اس لیے اس میں مسلمانوں کی شمولیت فائدہ بخش ہوگی،پھر خالص اسلامی قوانین کے تحفظ کے لیے ایک ملکی تحریک کی ضرورت ہے۔مسلم پرسنل لابورڈ اپنی افادیت وقبولیت کھوتا جارہا ہے۔بابری مسجد کیس پر بھی سپریم کورٹ میں 5:دسمبر ۲۰۱۷ء سے سماعت شروع ہوچکی ہے۔اگلی تاریخ 8:فروری ۲۰۱۸ء کو ہے۔بابری مسجد کیس کا فیصلہ بھی دیکھنا ہوگا،طلاق ثلاثہ کا دیکھ لیا۔کتنی مصیبتوں کا رونا رویا جائے۔

زخم اتنے ہیں کہ سارا بدن ہے چھلنی درد بیچارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

سپریم کورٹ نے فیصلہ سناتے وقت طلاق ثلاثہ پر چھ ماہ کے لیے پابندی عائد کردی تھی۔فیصلہ کے بعد مسلم پرسنل لابورڈ کی مٹنگ بھی 10:ستمبر ۲۰۱۷ء کو بھوپال میں ہوئی تھی۔اگر مسلم پرسنل لابورڈ سپریم کورٹ میں ری پٹیشن (Repetition) کرتا ہے تو علمائے اہل سنت و جماعت کی جانب سے بھی کوئی بھاری بھرکم وکیل ہونا چاہئے۔ورنہ ہماری جانب سے از سر نو سپریم کورٹ میں ری پٹیشن کیا جائے۔سپریم کورٹ کے فیصلہ پر چار ماہ گذر چکے ہیں،صرف دو ماہ باقی ہیں۔اگر معاملہ پارلیامنٹ پہنچ گیا تو یونیفارم سول کوڈ کی راہ ہموار کرنے کی سرتوڑ کوشش ہوگی۔لگتا ہے کہ مسلم پرسنل لابورڈ قوم مسلم کو تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کررہا ہے:واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔☆

احساسِ ذمہ داری اور حسن اخلاق

ازافادات:حضرت مولانا پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی نقشبندی (بانی ادارۃ المصطفیٰ انٹرنیشنل)

مرتب:وسیم احمد رضوی (نوری مشن:مالیگاؤں)

waseemrazvi92@gmail.com

ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کے معاملے میں مسئول ہے،اس سے پوچھا جائے گا،اس سے سوال ہوگا۔آپ اگر ایک باپ ہیں تو آٹھ،چار،پانچ بچے آپ کے زیر کفالت ہیں تو ان کے معاملات کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اگر آپ ٹیچر ہیں تو شاگردوں کے معاملات کے ذمہ دار ہیں۔ اگر آپ نے ایک فیکٹری بنائی ہے اور دو تین سو لوگ وہاں کام کر رہے ہیں تو جتنی آپ کی ذمہ داریاں بنتی ہیں تو وہ آپ وہاں نبھائیں گے، اور اگر آپ ہادیِ قوم ہیں، رہنمائے قوم ہیں تو پھر اس حساب سے آپ کی ذمہ داریاں بنتی ہیں۔

اب بتائیے! یہ معاشرہ جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں، یہاں عدم برداشت کا کلچر ہے۔ آپ ایک دکان دار سے بھی سودا لینے جائیں اور ایک سے دو مرتبہ بھی کوئی بات اس سے پوچھئے تو وہ تلخ ہو جاتا ہے، حالاں کہ اس کی تو دکان داری ہے، اس کو تو سُننا چاہیے، لیکن معاشرے کے اندر تلخی اتنی آ گئی ہے، عدم برداشت ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ شخص جس کا فائدہ ہے، وہ بھی آگے سے تلخ ہو رہا ہے، تو پھر اس معاشرے کی گراوٹ کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

منبر ومحراب سے ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے ایسے تلخ جملوں کے تبادلے ہوتے ہیں کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ منبر پر بیٹھنے والا شخص جو یہاں سے کہہ رہا ہے، یہ دین ہی ہے؟ ہمارے یہاں اتھارٹی اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر میں اپنے نفس کے شکنجے میں کسا ہوا ہوں اور اپنی انا کے پنجرے کے اندر ہوں اور اس کو میں دین قرار دیتا ہوں تو یہ میں اپنے پہ بھی زیادتی کرتا ہوں اور لوگوں پہ بھی زیادتی کرتا ہوں۔

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا   اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

ہمارے لیے وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سند ہیں۔ اگر میں بھی یہاں اپنی گفتگو کو اس انداز سے مرتب کروں کہ اس سے معاشرے کے اندر بد اخلاقی کی نمو ہو تو پھر مجھے بتائیے گا کہ آپ خیر کہاں سے تلاش کریں گے۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ایک فارسی شاعر نے کہا کہ جب کعبے سے کفر کھڑا ہو جائے تو پھر مسلمانی آپ کہاں سے تلاش کریں گے؟ منبر ومحراب، جس کی ذمہ داری ہی حسنِ اخلاق سکھانا تھا تو اس کی ذمہ داری جو تھی، اس کے برعکس وہ کام کر رہا ہے۔ جس کا کام تصفیۂ قلوب تھا، تصفیۂ باطن تھا، اب وہ سالکین کا تصفیہ کرنے کی بجائے قوم کی جیبیں صاف کرنے کے چکر میں ہے کہ تمہارا دل تو صاف کر نہیں سکتا، تمہاری جیب صاف کر دوں گا۔ تو پھر مجھے بتائیے کہ جو مسندِ مشیخیت پر بیٹھا ہے وہ کس گراوٹ کا شکار ہے؟ اس لیے مجھے اور آپ کو اپنے ماحول کے اندر جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں؛ ہمارے ماحول سے وابستہ صرف تین آدمی ہی کیوں نہ ہوں تو ہم وہاں خیر اور بہتری ہی پھیلانے کے لیے کوشاں ہوں۔ جب ہم ایسا کریں گے تو میرا مالک ہماری مدد کرے گا۔ تو یہ ہمارے دین کی وہ نمایاں چیزیں ہیں، حسنِ اخلاق اور حیا۔ اب دورِ موجود کے اندر حیا کا جو ہر لُٹ گیا، اور پھر ہمارا الیکٹرانک میڈیا، پھر اس کے بعد اب سوشل میڈیا کی قیامت جو ہمارے اوپر ٹوٹ پڑی، اس نے خلوتوں کو بھی پاکیزہ نہیں رہنے دیا۔ حیا کا حقیقی جوہر موجود ہوگا تو پھر خلوت ناپاک نہیں ہو سکتی۔ خلوت کے اندر بھی روشنی واجالا اور چراغاں ہی رہے گا۔ ایک تو ہم نے اپنی اور اپنی نسل اور اپنے جو بھی ماتحت ہیں، جن کا ذمہ ہمارے ذمہ لگایا گیا ہے ان کو حیا کی اس دولت کے ماحول کو فراہم کرنا ہے، اور دوسرا ہم کبھی بھی اپنی اولاد سے، اپنے شاگردوں سے، اپنے حلقۂ احباب سے، اپنے دوستوں سے کبھی بھی بد خُلقی کی بد بو اور نفرت کو پھیلنے نہ دیں۔

جس سے آپ کا اختلاف بھی ہے اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (سورہ نحل: آیت ۱۲۵) حالاں کہ مجادلہ ہے ان سے، لیکن یہاں حسن نہیں فرمایا، بلکہ احسن فرمایا جو اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے Superletive Degree یعنی آپ جس سے مجادلہ بھی کریں تو اس میں صرف حسن ہی نہیں، بلکہ احسن طریقہ اختیار کریں، یعنی .... (باقی صفحہ ۵۴ پر)

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا وطالبات اوراسکول وکالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق وتربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔اس کالم میں صرف مختصر مضامین{Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔مضمون نگار اپنا نام ،ولدیت ،سکونت ،تعلیم گاہ اور درجہ وکلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔''باغ وبہار'' کے مضامین درج ذیل ای میل پر بھیجیں۔(ادارہ پیغام شریعت: دہلی)

tariqueanwer313@gmail.com

گہری اور پرسکون نیند کیسے حاصل کی جائے؟

رونق رحمٰن بنت افتخار الرحمٰن مٹیا برج راجہ بگان (کلکتہ) کلاس 11: مولانا آزاد میموریل گرلس ہائی اسکول مٹیا برج (کلکتہ)

اس بات پر سب متفق ہیں کہ کم سونا یا نیند میں بے قاعدگی کسی بھی انسان کی ذہنی اور جسمانی کارکردگی کو بُری طرح متاثر کرتی ہے۔اچھی نیند انسان کے مدافعتی نظام میں بیماری کے خلاف لڑنے کی صلاحیت کو برقرار رکھتی ہے اور ذہنی اعصابی نظام کو احسن طریقے سے کام سرانجام دینے میں مدد کرتی ہے۔رات بھر کی پرسکون نیند بچوں میں سیکھنے کے عمل کو تیز کرتی ہے۔ذہنی اور جسمانی قوت کے لیے کتنی نیند درکار ہے؟اس کا انحصار کئی طریقے پر ہوتا ہے،مثلاً کام کی نوعیت وغیرہ۔شیر خوار بچے ایک دن میں سولہ گھنٹے تک سو سکتے ہیں۔نوجوان بچوں کے لیےنو گھنٹے اور بالغ افراد کے لیے سات سے آٹھ گھنٹے کی نیند ان کی جسمانی ضروریات کے لحاظ سے کافی ہوتی ہے۔عمر دراز افراد کو اگر چہ اتنی ہی نیند کی ضرورت ہوتی ہے جتنی کہ ایک نوجوان بالغ بچے کو لیکن عموماً وہ مختصر وقت کیلئے سوتے ہیں اور بہت دیر تک گہری نیند کی حالت میں نہیں رہتے۔65 سال سے زائد عمر کے تقریباً پچاس فیصد بزرگ نیند کے کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

سونے کے معمولات میں کمی یا خلل کی بنا پر رونما ہونے والے عوارض کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۱) نیند کی مدت میں کمی ہونا (۲) نیند کا بار بار ٹوٹنا (۳) دوران نیند بے چین رہنا۔

نیند کی کمی: کم سونا ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد متاثر ہے۔اس کی عام وجوہات کھانے پینے میں بے قاعدگی کا ہونا مثلاً (کیفین یا الکوحل کا زیادہ استعمال) اور ذہنی وجذباتی دباؤ شامل ہیں۔بعض اوقات کوئی جسمانی تکلیف یا بیماری بھی نیند کی مدت میں کمی کا باعث بن جاتی ہے۔وجہ جو بھی ہو، بہر حال یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو کہ روزمرہ کے معمولات میں خلل ڈالنے کے ساتھ ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ میں بھی اضافہ کرتی ہے۔

دورانِ نیند بے چینی: دوران نیند سانس لینے میں بے قاعدگی کی وجہ سے نیند میں خلل پیدا ہوتا ہے،اور اسی کی وجہ سے خراٹے لینے کا مسئلہ جنم لیتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کا بڑا شکار وہ لوگ ہیں جو کہ خراٹے لینے کے عادی ہیں۔یہ کیفیت کسی کو بھی متاثر کرسکتی ہے،لیکن موٹاپے میں مبتلا لوگ اس کا سب سے بڑا ہدف ہیں۔عورتوں کی بہ نسبت مرد حضرات کو یہ مسئلہ زیادہ درپیش ہوتا ہے، جبکہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔دن کے اوقات میں زیادہ دیر سونے والے خواتین وحضرات دوران نیند بے چینی اور خلل کا سامنا کرسکتے ہیں۔سونے میں چلنا، باتیں کرنا اور ڈر کر چلنا بھی نیند کے نظام میں بے ضابطگی کو ظاہر کرتا ہے، خاص طور پر نیند میں چلنے کی بیماری خاصی خطرناک ہوسکتی ہے۔کسی بھی حادثہ سے بچنے کے لیے اس طرح کے مریضوں کا بروقت علاج بہت ضروری ہے۔

گہری اور پرسکون نیند کی تدبیریں : نیند کے خصوصی ماہرین ان تمام مریضوں کے لیے چند تجاویز پیش کرتے ہیں جو کہ نیند سے متعلق مختلف عوارض میں مبتلا ہیں۔

(۱) اپنا ایک نظام الاوقات مقرر کر لیجئے اسی کے مطابق ہر روز سونے اور جاگنے کو اپنا معمول بنائیں حتیٰ کہ چھٹی کے دنوں میں بھی اسی پر عمل کریں (۲) ہر روز ورزش کریں، لیکن سونے سے پہلے ورزش سے گریز کیجئے۔ ورزش کا بہترین وقت صبح اور سہ پہر کا ہے تاہم رات کے کھانے کے بعد ہلکی چہل قدمی معدے کو بوجھل ہونے سے بچاتی ہے (۳) چائے، کافی، سگریٹ نوشی اور الکوحل سے پرہیز کریں۔ ایسی اشیا جن میں کیفین موجود ہو، ان کا استعمال ہونے سے کم از کم چھ گھنٹے قبل کر لینا چاہیے، تاکہ دوران خون میں ان کے اثرات کم ہو جائیں۔ (۴) اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے لیے سونے سے پہلے کچھ ایسے معمولات اپنا لیں جو کہ نیند لانے میں مددگار ہوں مثلاً گرم پانی سے غسل کرنا یا کسی اچھی سی کتاب کا مطالعہ کرنا مفید ہو سکتا ہے (۵) سونے کے کمرے کو آرام دہ بنائیے، بہت ٹھنڈا یا گرم کمرہ بھی نیند خراب کرنے کا باعث بنتا ہے (۶) بیڈ روم سے ٹی وی اور کمپیوٹر اٹھا دیجئے۔ جب آپ کو نیند آ رہی ہو تو زبردستی اپنے آپ کو مت جگائیے۔ (۷) اپنے آپ کو روشنی کی موجودگی میں جاگنے کا عادی بنائیں۔ اُٹھتے ہی کمرے کے پردے یا بلائنڈ ہٹا دینے سے ٹائمر کلاک اپنے آپ کو اس روشنی کے مطابق سیٹ کرتا ہے اور اندھیرا ہوتے ہی یہ آپ کے دماغ کو سونے کے پیغامات بھیجنا شروع کر دیتا ہے۔ قدرت کے نظام میں رات آرام کے لیے بنائی گئی ہے۔ سونے کے وقت سونا اور علی الصبح جاگنا ذہنی اور جسمانی مستعدی کے لیے بہت ضروری ہے۔ نظام قدرت سے انحراف مت کیجئے۔ راتوں کو بلاوجہ جاگ کر اس نظام کو بغاوت کا موقع نہ دیں، بصورت دیگر آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہو سکتے ہیں جن کے حصے میں بے خواب راتیں آتی ہیں۔

نیند کے چند طبی نسخے : (۱) خشخاش کا تیل کنپٹی پر ملنے سے جلد نیند آ جاتی ہے (۲) سرخ ٹماٹر کو کاٹ کر اس پر چینی چھڑک کر کھانے سے بے خوابی کی شکایت دور ہو جاتی ہے (۳) فروٹ چاٹ کھانے سے بھی نیند نہ آنے کی شکایت دور ہو جاتی ہے، بشرطیکہ آپ کے گلے کے غدود نہ بڑھے ہوئے ہوں یا آپ حساس طبیعت کے مالک نہ ہوں (۴) بعض اوقات سر میں خشکی ہونے کی وجہ سے نیند نہیں آتی ایسے میں سر کی مالش کرنا بہت مفید ہے۔ مالش کرنے کے بعد سکون محسوس ہوگا اور نیند آ جائے گی (۵) رات ہی کو نہیں دن بھر میں چائے اور کافی کا استعمال کم کر دیں، اس کی جگہ دودھ اور پھل کا استعمال زیادہ کریں (۶) گرم پانی میں نمک ملا کر سونے سے پہلے چند منٹ تک پاؤں کو اس میں ڈبوئے رکھیں تو اس سے سکون ملے گا اور نیند آ جائے گی (۷) کدو کے بیج کے مغز نصف تولہ میں تھوڑی سی مصری ملا کر کھائیں تو بے خوابی کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ (۸) ہرا دھنیا کھانے سے بھی معدہ کے بخارات جو دماغ کو جاتے ہیں، وہ ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے پرسکون نیند آتی ہے۔

☆☆☆

دنیا کا طاقتور ترین دستاویز پاسپورٹ

امجدی بانو بنت مفتی عبدالقادر باسنی: ناگور (راجستھان)　　　کلاس ہفتم: چاند شہید اسکول (باسنی: ناگور، راجستھان)

ہندوستانی پاسپورٹ کو ملک میں سب سے اہم اور طاقتور دستاویز خیال کیا جاتا ہے، لیکن جب بات عالمی پیمانے پر ہوتی ہے تو ہمارا پاسپورٹ بہت کم بااثر ہے۔ آرٹن کیپٹل نے پاسپورٹ انڈیکس جاری کی ہے۔ جس میں دنیا کے 193: ممالک کے پاسپورٹ کی طاقت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ دنیا بھر کے ممالک کی پہچان ان کے پاسپورٹ ہی سے ہوتی ہے، اور کسی بھی ملک کے پاسپورٹ کی اہمیت و طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ملک کا باشندہ ویزا کے بغیر کتنے ممالک کا سفر کر سکتا ہے، یا اس ملک کے پاسپورٹ پر اسے کتنے ممالک اپنے ملک کا

ویزاا ایئر پورٹ پر پہنچنے کے وقت دیں گے۔

اس فہرست میں 6: براعظم کے 193 مما لک شامل ہیں۔ دنیا میں 159 مما لک ایسے ہیں جو سنگاپور کے پاسپورٹ کے حامل افراد کو بغیر ویزا یا ایئر پورٹ پر آنے کے وقت ویزا دے کر داخلہ کی اجازت دیتے ہیں۔ سنگاپور کا پاسپورٹ دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور پاسپورٹ ہے، اور ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کوئی ایشیائی ملک اس فہرست میں اول مقام پر ہے۔

اس فہرست میں ہندوستانی پاسپورٹ ۷۵ ویں مقام پر ہے۔ ہندوستانی پاسپورٹ پر دنیا کے صرف 51 مما لک میں بغیر ویزا داخلہ یا ایئر پورٹ پر جا کر ویزا مل سکتا ہے۔ اس فہرست میں ''ٹاپ ٹین مما لک'' کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) سنگاپور (159: مما لک) (۲) جرمنی (158: مما لک) (۳) سویڈن اور جنوبی کوریا (157: مما لک) (۴) ڈنمارک، فن لینڈ، اٹلی، فرانس، اسپین، ناروے، جاپان، اور یوکے (156: مما لک) (۵) لگزمبرگ، سوئزرلینڈ، نیدرلینڈ، بلجیم، آسٹریا اور پرتگال (155: مما لک) (۶) ملائیشیا، آئرلینڈ، یو ایس اے اور کینیڈا (154: مما لک) (۷) یونان، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا (153: مما لک) (۸) مالٹا، چیکیا اور آئس لینڈ (152: مما لک) (۹) ہنگری (150: مما لک) (۱۰) سلووینیا، پولینڈ، لتھوانیا اور لیٹویا (149: مما لک)

ڈونالڈ ٹرمپ کے برسر اقتدار آنے کے بعد امریکہ بھی چھٹے گروپ میں آچکا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۵)........................

دینیات کے شعبہ تحتانیہ یا پرائمری ایجوکیشن کا انتظام محلّہ اور مسجد کے مکتب و انجمن میں ہونا چاہئے۔ اسی طرح ٹیوشن کے ذریعہ بھی یہ تعلیم دلائی جاسکتی ہے۔ ہر مسلمان کو دینیات کی اتنی تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہئے، وہ کہ ضروری مسائل کو کتابوں میں پڑھ کر سمجھ سکے۔

تحتانیہ (پرائمری ایجوکیشن) میں ناظرۂ قرآن، حفظ سورت و دعائیں، تصحیح حروف و صفات، مشق قرأت، ابتدائی اردو، انوار شریعت اور قانون شریعت کی تعلیم ضرور ہونی چاہئے۔ ہمارے مذکورہ نصاب کے مطابق سٹرٹیفکیٹ کورس کو وسطانیہ اور ڈپلوما کو فوقانیہ کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ ہمارے پاس وسائل مہیا نہیں کہ ان امور کے لیے پیش قدمی کرسکوں۔ احباب اہل سنت سے عرض کرتا ہوں کہ اس بارے میں غور وفکر کریں، تاکہ ہمیں بھی اجر و ثواب سے سرفراز کیا جائے: وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۵۱)........................

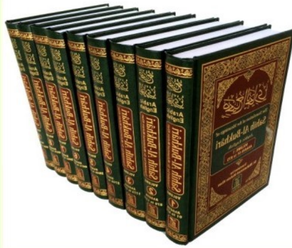
اس سے مجادلے میں بھی تمہارا انداز اتنا خوبصورت ہو کہ دل موہ لینے والا ہو۔

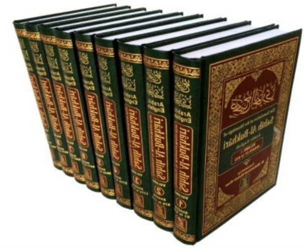
دورِ موجود کے اندر جہاں ہم اپنے سایوں سے، رشتے داروں سے، اپنے ملنے والوں سے، معاشرے میں، چلتے ہوئے بازار میں، گزرنے گاہوں میں؛ لوگوں کے ساتھ رویے، تلخ جملے اور جو ہمارا اندازِ تکلم ہوتا ہے، یہ ہمارا دین کیا، کوئی بھی صاحب معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لیے ہم خوب صورتی کو اپنا شعارِ زندگی بنائیں اور اپنے رویوں میں جمال پیدا کریں۔ رویوں میں خوب صورتی پیدا کریں، تاکہ ہماری بولیاں روحوں کے اندر اتریں، اور من میں روشنیوں کا ساماں کریں۔

(ماخوذ از افاداتِ مصطفائی، زیرِ ترتیب)

☆☆☆

R.N.I. No. DELURD/2015/65657 Posted at RMS Postal Registration: DL (DG-11) 8085/2016-18
Publishing Date: 20 Same Month
Paigam e shariat Monthly
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Vo:- 03 Issue: 26 January: 2018
Posting Date:21&22





Owner, Publisher & Printer
Mohommad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/S Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No. 422, **2**nd Floor, Gali Sarot**e**y Wali
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006